آگہی کے چراغ

گوہر کریم نگری

ایم اے بی ایڈ ال ال بی

قدم قدم پہ جل اٹھیں گے آگہی کے چراغ
ہر انتہا کو تری ابتداء ملے تو سہی

تاریخ ماہ وسن اشاعت	نومبر سنہ 2000ء
تعداد اشاعت	500
نام کتاب	"آگہی کے چراغ"
سرورق	جناب خان انجم صاحب کریمنگر
طباعت	اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد
کاتب	جناب تنویر واحدی صاحب نظام آباد
ناشر	گوہر کریمنگری

جزوی مالی تعاون اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش

PRICE. RS (70/=) قیمت

ملنے کا پتہ

جناب صلاح الدین نیر صاحب مدیر "خوشبو کا سفر"
۷/۸۲۴-۳-۱۱ جدید ملے پلی - حیدرآباد ع۱

گوہر کریمنگری ۲-۸-۲-۷ کشمیر گڈہ - کریمنگر ۵۰۵۰۰۲
فون: 32290 کریمنگر

اِنتساب

میرے مجموعۂ کلام "آگہی کے چراغ" کو میں اپنی شریکِ حیات
سرور ثریا جنھوں نے میری ہر طرح سے خدمت کی اور
میرے پروان چڑھنے میں معاون بنیں
اور میری بیٹیوں ساجدہ گوہر اور عالیہ گوہر
اور بیٹوں طٰہٰ محمد اور طاہر محمد
نواسوں محمد بلال احمد اور محمد ذوالمنن
احمد خان اور نواسی عظمٰی تکریم جو میرے گلستانِ زندگی
کے گل بوٹے ہیں۔ جن کی خوشبو سے میرے جسم و جاں کا گوشہ
گوشہ معطر ہے کے نام معنون کرتا ہوں
اور دعا کرتا ہوں کہ ربّ ذوالجلال انہیں صحت
و عافیت اور دولتِ دارین سے سرفراز فرمائے۔ آمین

گوہر صاحب موضوع کے ساتھ الفاظ کے انتخاب اور ان کے برتنے کا سلیقہ خوب جانتے ہیں۔ مشکل سے مشکل الفاظ اور تراکیب کے ساتھ بہت ہی آسان اور عام فہم الفاظ استعمال کر کے شعر کے قالب میں ڈھال لیتے ہیں۔ یہی حال بحروں کے انتخاب کا ہے۔ بڑی بحروں میں جہاں اُنھوں نے فکر انگیز غزلیں کہی ہیں، چھوٹی بحروں میں بھی بے شمار ایسے اشعار کہے ہیں جو سلیس زبان میں ہوتے ہوئے عمیق مشاہدات اور زندگی کے تلخ و شیریں تجربات کی عکاسی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تُو ہمیں چھوڑ ہی نہیں سکتی — زندگی تیرا اعتبار ہیں ہم

مَیں، ہجومِ یاس میں کھویا گیا — ذہن و دل کی ہر ضرورت کھو گئی

نظر کہتی ہے منظر بولتے ہیں — حقیقت کیا ہے پتھر بولتے ہیں

ترس کھا کر نہ ڈر کر بولتے ہیں — جو سچے ہیں وہ منہ پر بولتے ہیں

مقامِ عظمتِ آدم گھٹا کر — ہم انساں کو فرشتہ لکھ رہے ہیں

سوچا سارے زمانے کے تعلق سے مگر — لمحہ بھر اپنی حیاتِ مختصر کی سوچا

گوہر کریم نگری کی بعض غزلیں معنی و مطالب کے لحاظ سے بہت ہی اعلیٰ و ارفع ہیں اور ان کے استادِ سخن ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک غزل کا مطلع ہے ؎

بہار کر کے جو سولہ سنگار رقص میں ہے — جُنوں کا پیرہن تار تار رقص میں ہے

ساری غزل قاری کو متاثر کرتی ہے۔ اس کے چند اشعار جو مجھے بے حد پسند آئے ملاحظہ کیجئے۔

فلک کو معترفِ عظمتِ زمیں پا کر
زمیں کی فطرتِ بے اختیار رقص میں ہے

۵

ملی اُسی کو جو کشکولِ دل بڑھا کے لیا
ازل سے رحمتِ پروردگار رقص میں ہے
ہنر جبیں پہ لئے اپنے اپنے خالق کا
دفورِ شوق میں ہر شاہکار رقص میں ہے

ثلاثیاں بھی خوب کہی ہیں۔ ایک ثلاثی میں انسان کو جینے کا سلیقہ یوں بتاتے ہیں۔

روز و شب اپنے خواب تازہ رکھ
زندگی خوشگوار گزرے گی
تجربوں کے گلاب تازہ رکھ

مختصر یہ کہ "آگہی کے چراغ" میں شامل گوہر کریم نگری کا سارا کلام بلند پایہ شاعری کا اچھا نمونہ ہے۔ اِس مجموعہ کی اشاعت پر اُنھیں دِلی مبارکباد دیتی ہوں قوی امید ہے کہ ادبی حلقوں میں اس کی خاصی پذیرائی ہوگی۔

یکم۔ نومبر ۲۰۰۰ء

حبیب ضیاء

گوہر کریم نگری

(کلاسیکی شاعری کے مستند شاعر)

حیدرآباد کے ہی نہیں اضلاع کے شاعروں میں بھی بعض ایسے منفرد شاعر موجود ہیں جو اپنی فکر و آگہی فہم و ادراک علم و دانش اور اپنی علمی و ادبی قابلیت کی وجہ سے گلستان شعر و ادب میں نت نئے گلاب کے پھول کھلا رہے ہیں - ویسے ہی گوہر کریم نگری اضلاع کے شاعروں میں نہایت اہم اور معتبر شاعر سمجھے جاتے ہیں - موصوف ایسے ہی قبیلے کے میر کارواں ہیں جن کی روشنی شعر و ادب کی وساطت سے دور دور تک پھیلتی جارہی ہے - تقریباً چالیس برس سے اپنے فکر و فن کے جوہر دکھا رہے ہیں - کلاسیکی شاعری سے تعلق رکھنے والے مستند شاعر ہیں - جن کا کلام نہایت توجہ سے سنا بھی جاتا ہے اور پڑھا بھی جاتا ہے - ان کے لب و لہجہ سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کلاسیکی شعری ادب کے ایک وضعدار کہنہ مشق شاعر ہیں - ریاست و بیرون ریاست ان کے کئی تلامذہ ہیں - گوہر صاحب علم و عرفان کے چراغ روشن کر رہے ہیں - علم عروض کے ماہرین میں سے ایک ہیں - شعر کہتے وقت زبان و بیان کا خاص خیال رکھتے ہیں - ان کا کلام ان کے تجربات کا آئینہ دار ہوتا ہے - یہ ایک فطری شاعر ہیں - ان کے ہاں آمد ہی آمد ہے - گوہر کریم نگری کی شعری زبان اساتذۂ سخن کی مکمل ترجمانی کرتی ہے - جہاں کہیں بھی ضرورت محسوس ہوا استعارات و تشبیہات سے کام لیتے ہیں - فنی امور کا اظہار سلیقہ سے کرتے ہیں - ان کے اشعار عمیق مطالعہ اور گہرے مشاہدہ کے غماز ہیں - معاشرہ کے بنتے بگڑتے حالات کو وہ بڑے فن کارانہ انداز میں اپنے اشعار میں سموتے ہیں - معاشرہ

جو کچھ انھیں دیتا ہے ۔ اس سے نہ صرف خود استفادہ کرتے ہیں بلکہ اپنے
تجربات اپنے خیالات اور اپنے جذبات سے بھرپور تخلیقات کو معاشرہ کے
ادب دوستوں کی نذر کرتے ہیں ۔ جس طرح اپنے محبوب سے راست گفتگو کے
قائل ہیں اسی طرح مسائل کا بھی راست حل نکال لیتے ہیں ۔ آس پاس کے
ماحول پر گوہر کریم نگری کی گہری نظر ہے ۔ ان کے اشعار زیادہ تر کلاسیکی
اقدار کے حامل ہوتے ہیں لیکن عصر حاضر کے مسائل سے بھی وہ دامن نہیں بچاتے
لفظوں کے برمحل اور موزوں استعمال پر انھیں قدرت کاملہ حاصل ہے ۔
علم عروض پر دسترس حاصل ہونے کی وجہ سے بھی ان کا کلام فنی اعتبار
سے پاک وصاف ہے ۔ یہ درس وتدریس کے مقدس پیشہ سے وابستہ رہ
چکے ہیں ۔ اردو، ہندی، تلگو میں مہارت رکھتے ہیں ۔ انگریزی اور فارسی
زبانوں سے بھی انھیں شغف حاصل ہے ۔ قانون کی ڈگری رکھتے ہیں ۔
گوہر کریم نگری جیسے قابل اساتذۂ سخن اضلاع میں بہت کم رہ گئے
ہیں ۔ نہایت خلیق، معتبر اور باوقار انسان ہیں ۔ مجھے یقین کامل ہے کہ
گوہر صاحب کا یہ مجموعۂ کلام "آگہی کے چراغ" بھی ان کے پچھلے مجموعۂ کلام
"پتھر پتھر لاوا" کی طرح ادبی حلقوں میں پسند کیا جائے گا ۔

صلاح الدین نیر
مدیر "خوشبو کا سفر"

کہکشاں
ملے پلی ۔ حیدرآباد

عرضِ مصنّف

میرا پہلا مجموعۂ کلام "پتھر پتھر لاوا" ۱۹۹۴ء میں شائع ہوکر منظرِ عام پر آچکا ہے، جس میں مَیں نے اپنے حالاتِ زندگی تحریر کئے اور محترم ڈاکٹر علی احمد جلیلی صاحب نے اُس پر گراں قدر تبصرہ فرمایا۔ اربابِ شعر و سخن نے اس کو کافی سراہا۔ دوست احباب نے اس کی نکاسی میں حتی المقدور دلچسپی لی، جس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

بفضلِ تعالیٰ اب یہ میرا دوسرا مجموعۂ کلام "آگہی کے چراغ" آپ کے سامنے ہے۔ امید کہ پسندِ خاطرِ احباب ہوگا۔ قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد اپنی قیمتی رائے سے ضرور مطلع فرمائیں۔ آپ کی حوصلہ افزائی ہی میری ادبی خدمت کی ضامن ہے۔

جناب خان انجم صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنھوں نے "آگہی کے چراغ" کا بہترین سرِ ورق بنایا۔ میرے شاگردِ رشید ڈاکٹر حامد علی خاں صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جنھوں نے میرے کلام کو یکجا کیا اور لکھا۔ برادرم تنویر واحدی صاحب کا ممنون ہوں کہ انھوں نے بروقت میرے کلام کی کتابت فرمائی۔ برادرِ مکرم محترم صلاح الدین نیّر صاحب مدیر "خوشبو کا سفر" کا بھی مشکور ہوں کہ جنھوں نے "آگہی کے چراغ" کی اشاعت میں مشوروں سے نوازا اور محترمہ ڈاکٹر حبیب ضیا ؔ صاحبہ کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود وقت نکال کر "آگہی کے چراغ" پر سیر حاصل اور گراں قدر تبصرہ فرمایا۔ فقط

گوہرؔ کریم نگری

یکم نومبر ۲۰۰۰ء

حمدِ ربِّ جلیل

اَللّٰہُ وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ

سارے ارض و سموات میں تو ہی تو تیرے جلوے ہیں کونین میں چارسو
تجھ سے رنگینیٔ عالمِ رنگ و بو، اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ

بات حیرت کی ہے پر نہیں ہے غلو، اتنے چہروں میں دونوں نہیں ہو بہو
دونوں عالم کی اک لفظِ کُن سے نمو، اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ

تیری تسبیح میں سارے جنّ و ملک، ذکر میں سب ہیں غلطاں زمیں تا فلک
سارے شاہ و گدا کو تیری جستجو اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ

طور پر تو نے موسیٰ کو جلوہ دیا، شکمِ ماہی میں یونس پہ سب وا کیا
اک محمد سے کی گفتگو روبرو، اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ

آگ گلزار کر کے یہ بتلا دیا، کس قدر درد رکھتا ہے تو دوست کا
کیوں نہ مومن کرے وردِ لاتقنطو، اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ

میرے لب پر دعا ہے یہ صبح و مسا تیرے گھر کی زیارت مجھے ہو عطا
تیرا گوہر کہے ہو کے یہ قبلہ رو، اللّٰہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ

مَعْدَنِ علم و حکمت ہے مصدر بخشش و رحمت ہے
مرہم دردِ الفت سے ہے محورِ عزت و ذلت ہے
قطرہ، ذرّہ، شجر، بحر صحرا گلشن بحر و بر
حمد و ثنا میں آٹھوں پہر تیری کیسی عظمت ہے
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ محمد رّسُولُ اللّٰہ
اس کا اقرار اور تصدیق دونوں جہاں کی دولت ہے
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن
حکم ہے ربُّ العزّت کا، لازم سب پہ عبادت ہے
تُو ہی ازل ہے تو ہی ابد تُو ہی احد ہے تُو ہی صمد
تیری نہیں ہے کوئی حد یہ سچ ہے، حق ہے حقیقت ہے
اعلیٰ و ارفع ذات تری سب سے نرالی بات تری
جس کو ملی سوغات تری اُس کے حق میں جنّت ہے
عرشِ مُعلّی پہ رہ کر جلوہ فگن ہر عالم پر
نزدِ رگِ جاں ہے گو ہر روح کو جس سے راحت ہے

دُعا

تکبّر چھو نہ پائے وہ نگہبانی مجھے دے دو
انائے جاودانی عشقِ لافانی مجھے دے دو

دلوں کی حکمرانی خندہ پیشانی مجھے دے دو
جو سب کے کام آئے وہ مسلمانی مجھے دے دو

عطا کرنے پہ آئے ہو تو دے دو دولتِ کونین
حدودِ بندگی میں میری من مانی مجھے دے دو

جسے پاکر زمانہ چال اپنی بھول جاتا ہے
تمہاری لغزشِ پا چال مستانی مجھے دے دو

بصیرت میری دیکھے ذرّہ ذرّہ میں تمہیں ہر دم
لبوں کا لمس بوسوں کی فراوانی مجھے دے دو

عطا ہو حسنِ یکتا سے زباں کو حسنِ لاثانی
تمہاری کبریائی کی ثناء خوانی مجھے دے دو

بڑھیں گے خود قدم میرے جہاں کی رہنمائی کو
برائے چشم و دل جلوؤں کی تابانی مجھے دے دو

فراق و وصل کا چکّر ہمیشہ گھومتا جائے
وہ حیرانی، مسرّت، حشر سامانی مجھے دے دو

دعا گو بر کی ہے اس پر بھی برسے بارشِ رحمت
بہ مشکل جو نہیں ملتا یہ آسانی مجھے دے دو

اے خُدا ایسی زندگانی دے
جو زمانہ کو شادمانی دے

بحرِ معنیٰ کی بیکرانی دے
جو نہ ہو ختم وہ تہہ آنی دے

طرزِ آزر نہ طورِ مانی دے
لَن ترانی کو مَنْ رَّآنی دے

جب بھی لمحاتِ امتحانی دے
میرے حِصّہ میں کامرانی دے

جھوٹ کے خار زار میں بھی مجھے
گُل فِشانیٔ حق بیانی دے

پنجتن پاک کے وسیلہ سے
دینِ فطرت کی پاسبانی دے

شبِ معراج کے تصدّق میں
مجھ کو توقیر اُمّہانی دے

بے رِیا زندگی عطا فرمایا
دولتِ عِشق غیر فانی دے

تیرے بندے حقیر گوہر کو
گوہرِ قلزُمِ معانی دے

نعت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

ہے جن سے وجودِ ارض و سماء اُن کی ہوئی بعثت کیا کہیئے
وہ مُہرِ نبوت کیا کہیئے وہ ختمِ رسالت کیا کہیئے

جو پیٹ پہ پتھر باندھ کے بھی اوروں کی ضیافت کرتا تھا
دیتا تھا دعائیں دُشمن کو، وہ پیکرِ رحمت کیا کہیئے

وہ دُرِّ یتیم و اُمّی لقب تھا عالمِ عُلمائے دوراں
ہر بات تھی تفسیرِ قرآں، اُس لب کی حلاوت کیا کہیئے

خوشبو تھی پسینے میں ایسی چلتی تو مہک جاتیں راہیں
جو دیکھتا دیکھتا رہ جاتا، پُرنور وہ صورت کیا کہیئے

ہر رنگ میں اک انداز نیا، ہر بات سے افشاء راز نیا
تھا حسبِ طلب اعجاز نیا، صحبت کی سعادت کیا کہیئے

آئینہ نبی، رب آئینہ گر، تھے روبرو عرشِ اعلیٰ پر
معراج تھی معراجِ اکبر، خلوت میں وہ جلوت کیا کہیئے

۱۵

کیا ملک عرب کیا ملک عجم، اخلاق کا قائل سارا جہاں
کہتے تجھے امین و صادق سب، اعجازِ صداقت کیا کہیے

پیغمبرِ اوّل و آخر ہیں، شاہنشہِ باطن و ظاہر ہیں
ہر طرح سے طیّب و طاہر ہیں سرخیلِ رسالت کیا کہیے

وہ تنگ مکاں جس پر گوہر کونین کی وسعت رشک کرے
خادم ہوں جہاں جبریلِ امیں سرکار کی عظمت کیا کہیے

نعتِ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

تھما وقت ہے نبضِ دُنیا رُکی ہے
کہ دیدارِ رفتارِ نورِ نبیؐ ہے

نگاہِ کرم اُنؐ کی جس پہ پڑی ہے خدا سے اُسے سروری مل گئی ہے
جس انساں کو علمِ مقامِ نبیؐ ہے وہی محرمِ منزلِ آگہی ہے
جسے خواب میں بھی ہو جلوہ تمہارا یقیناً وہ مردِ خدا جنّتی ہے
حضوری میں اپنی زباں حد میں رکھنا صداؤں کو بھی حکم آہستگی ہے
رسالت کا اعجاز اللہ اکبر ہیں مبہوت بُت دم بخود آذری ہے
مجھے اُنؐ کے صدقے میں جنت ملے گی اسی آس پر اُنؐ کا ہر اُمّتی ہے
ہر اِک وصف اِک معجزہ ہر اشارا فقیری میں بھی رُعبِ شاہنشہی ہے

اُنہیں یاد کر کے جو روتا ہے گوہرؔ
وہی در حقیقت فدائے نبیؐ ہے

منقبت

در مدحِ سیّد الشہداء سیّدنا امام حُسین رضؓ

لے تمک حسینؑ ابن علیؓ انبیاء کے بعد
دونوں جہاں کے شیر ہیں شیرِ خدا کے بعد

دی جان جس نے سجدۂ صبر و رضا کے بعد
ساری وفائیں ختم ہیں اُس کی وفا کے بعد

ساعت نہ دیکھی ایسی کبھی اس جہان نے
تاریخ ساز ساعتِ صبر آزما کے بعد

غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اہلِ بیت پر
کچھ کربلا سے پہلے تو کچھ کربلا کے بعد

گو ہیں جہانِ کور کے افسانہ ہائے غم
اب کیا سناؤں حالِ شہہِ کربلا کے بعد

منقبت

در مدح :- سیدنا غوث اعظم دستگیرؒ

اُن کے جلوؤں میں جو قسمت سے نہا لیتے ہیں
دل کو سرکار کا آئینہ بنا لیتے ہیں

چاہتے ہیں وہ جسے در پہ بُلا لیتے ہیں
عمر بھر اپنا ہی دیوانہ بنا لیتے ہیں

گھول کر پیار جسے پیالہ پلا لیتے ہیں
اُس گنہگار کو معصوم بنا لیتے ہیں

غوثِ اعظم ہیں وہی اور وہی قطب الاقطاب
آن میں جائزۂ ارض و سما لیتے ہیں

فنا فی الشیخ کے نکتہ کو سمجھنے والے
آپ کے ذکر میں جینے کا مزا لیتے ہیں

آپ نے جن پہ نظر کی وہ ولی بن بیٹھے
اُن کی قسمت ہے جو مقسوم لکھا لیتے ہیں

شہِ اقلیمِ ولایت ہیں نجیبُ الطّرفین
اپنی گردن پہ ولی آپ کے پا لیتے ہیں

پنجتن پاک کے پیارے ہیں دُلارے رب کے
یہ نہ سمجھو کہ وہ کیا دیتے ہیں کیا لیتے ہیں

غوث پھر غوث ہیں اُس در کے گدا بھی گوہرؔ
اپنے انداز کی سرکار بنا لیتے ہیں

در مدحِ مُرشدِ روشن ضمیر قبلۂ محترم حضرت خواجہ سیّد محمد بادشاہ قادری چشتی یمنی قدیرؒ

منقبت :

پیالہ کون سا آخر مجھے پلائے قدیرؒ
نظر میں رُوح میں دل میں مرے سمائے قدیرؒ

ہے آشنائے نبیؐ جو ہے آشنائے قدیرؒ
ہو کیوں نہ محرمِ اَسرار خاکپائے قدیرؒ

فضا میں پھیلی ہوئی بُوئے دین و ایماں ہے
کھِلے ہوئے ہیں جو گلشن میں غنچہ ہائے قدیرؒ

متاعِ ہَ، ہُ، ہِ، سے دل کو کر دیا معمور
پسند آئی جو اللہ کو ادائے قدیرؒ

مَیں اپنے پیر میں گُم، پیر ہیں نبیؐ میں فَنا
رضائے رب ہے ثنائے نبیؐ ثنائے قدیرؒ

جو دیدہ وَر تھا وہ سویا ہُوا ہے مرقد میں
چمن میں چیختی نرگس ہے ہائے ہائے قدیرؒ

خلوص ہو تو جُھکاتا ہے اپنا سَر ورنہ
کسی کو لاتا ہے خاطر میں کب گدائے قدیرؒ

نہ صرف پھولوں سے، کانٹوں سے بھی محبّت کی
جہاں میں قاسمِ اخلاص تھی وِلائے قدیرؒ

عطائے کَلمۂ طیّب، عنایتِ معراج
اِک ابتدائے قدیرؒ ایک ارتقائے قدیرؒ

بہ شکلِ رحمتِ حق، پَرتوِ جمالِ اَزل
رہے مُریدوں کے سر پر سدا رِدائے قدیرؒ

امیرِ سِلسلہ صاحب قدیری اَے گوہر
عطائے رب ہیں، عطائے نبیؐ، عطائے قدیرؒ

٭٭٭

منقبت

در مدح:۔ حضرت خواجہؒ المعروف بہ القاب نائب رسولؐ رحمت آباد شریف

بہ فرمائش محبی و برادرِ مکرم حکیم محمود حسین صاحب آبادی مرحوم (قادری الملتا

اے خواجۂ دیں رحمتِ حق، سایۂ یزداں، انوار بداماں
بے شک ہو تمہیں نائبِ پیغمبرِ ذیشاں اے رہبرِ دوراں

دنیا کو دیا درسِ وفا، درسِ محبت از راہِ شریعت
رہبر ہیں جو صدیق و عمرؓ حیدر و عثماں اے رہبرِ دوراں

نظروں نے بنایا تری انسانوں کو انساں، کافر کو مسلماں
ہر گام ترا نقشِ کفِ پا ہے نمایاں، مثلِ مہرِ عرفاں

ہے معتقدِ ذات جہاں ایک خدائی فقرا کی بن آئی
رہتی تھی تری وردِ زباں آیتِ قرآں ہر ساعت و ہر آں

سائل ترے در سے کبھی خالی نہیں جاتا، مقصود ہے پاتا
پاتے ہیں زیارت میں تری ہندو مسلماں تسکینِ دل و جاں

جو گردشِ و غم میں تھے گھرے اُن کو خوشی دی اور آگہی بخشی
ہو راحتِ دل، راحتِ جاں، روحِ بہاراں اے ابرِ دُر افشاں

گوہر کی دعا ہے کہ ترے جود و کرم سے ترے فیضِ اتم سے
گوہر رہے دل شاد تو زائر بھی شاداں اے مونسِ انساں

میں ہُوا نغمہ سرا سارے سخنور جاگے
میرے ہر شعر پہ تنقید کے دفتر جاگے

سُوئے منزل جو چلا راہ کے پتّھر جاگے
راہرو جاگے تو بھٹکے ہوئے رہبر جاگے

سامنے آنکھوں کے جب بھی ترا پیکر جاگے
صدفِ ذہن میں افکار کے گوہر جاگے

جانور رہے جیسے ٹھوکر کا نہ ہو کچھ احساس
آدمی ایک دفعہ کھاتے ہی ٹھوکر جاگے

سُونی سُونی ہے فضا، میکدہ سویا سویا
ساقیا! بادہ کش و بادہ و ساغر جاگے

شب کی آلودہ فضاؤں کا فسوں باقی ہے
جاگنے والا ذرا سوچ سمجھ کر جاگے

تُو جو سو جائے تو سو جائے زمانہ گوہر
تو اگر جاگے زمانہ کا مقدّر جاگے

تجدیدِ اُلفت کے بہانے آیا ہے
لے کر کھُلے تسبیح کے دانے آیا ہے

بیتی باتیں یاد دلانے آیا ہے
کیا سوچا تھا کیا سمجھانے آیا ہے

اپنا جنازہ آپ اُٹھانے آیا ہے
آنسو پینے اور غم کھانے آیا ہے

قریہ قریہ خاک اُڑانے آیا ہے
دیوانہ دیوانہ بنانے آیا ہے

صنم کدے سے جو میخانے آیا ہے
سب پیمانے توڑ کے جانے آیا ہے

نظروں سے نظریں برمانے آیا ہے
سرد سیہ راتیں گرمانے آیا ہے

اچھے اچھوں پر آیا ہے وقت میاں
جب جب آیا سبق سکھانے آیا ہے

ہُوا فیصلہ داخلِ دفتر فائل ہُوا
اپنے کئے پر آپ پچھتانے آیا ہے

جس نے کبھی دیکھا ہی نہیں مقتل گوہر
عشق کی منزل وہ بتلانے آیا ہے

ہیں آئے دن جو غریبوں کے مسئلے بھی نئے
زمانہ دیکھتا رہتا ہے سرپھرے بھی نئے
وہی ہے دیکھنے والا وہی ہے آنکھ مگر
نظر بدلتے ہی بدلے ہیں زاویے بھی نئے
نگارشاتِ ادب کے تصرفات نہ پوچھ
پرانے بھی ہیں نئے اور نئے نئے بھی نئے
تصورات کی چادر کو تان کر سوچا
قطار باندھ کھڑے ہوں گے واقعے بھی نئے

رہین گردشِ لیل و نہار ہیں گوہر
نئے نئے یہ روابط معاملے بھی نئے

وہ ہوس کا شکار لگتی ہے
جامۂ تار تار لگتی ہے

جس سے پُرخاش ہوتی ہے اُس کی
ہر ادا ناگوار لگتی ہے

جعلسازی سے ہو اگر حاصل
جیت بھی ایسی ہار لگتی ہے

زندگی تجربوں کے جنگل میں
اشکبار اشکبار لگتی ہے

موت تیرے قلندروں کیلئے
فنِ بے روزگار لگتی ہے

اُن کے غم اُن کے ذکر سے معمور
زیست سرمایہ دار لگتی ہے

چُست عریاں لباس میں چنچل!
فِلم کا اشتہار لگتی ہے

سر پہ گٹھڑی ہے گود میں لڑکی
اک غریب الدّیار لگتی ہے

زیست کھا کھا کے ٹھوکریں گوہر
یک کے ترخا انار لگتی ہے

حق جتانے کی بات کرتے ہو
سر کٹانے کی بات کرتے ہو

پھر بہانے کی بات کرتے ہو
اُٹھ کے جانے کی بات کرتے ہو

زندگانی کے خارزاروں میں
گُل کھِلانے کی بات کرتے ہو

گرم بازاریٔ رقابت میں
سرد خانے کی بات کرتے ہو

کوئی کل پرزہ کام کا ہی نہیں
کارخانے کی بات کرتے ہو

چھوڑ کر جل رہے مکانوں کو
بھاگ جانے کی بات کرتے ہو

نہ وہ آدم ہے اور نہ وہ حوّا
ورغلانے کی بات کرتے ہو

خواب ٹوٹا بکھر گیا گوہر
تانے بانے کی بات کرتے ہو

اُن کی آمد پہ مرے دل کو سنبھلنا ہوگا
شمع کی شکل میں ہر اشک کو جلنا ہوگا

اپنے ماحول کو آئینہ دکھانے کیلئے
آپ کے جینے کا انداز بدلنا ہوگا

مطمئن ہو کہ نہ ہو نفرتوں والی دنیا
تھوک کر غصّہ، ندامت کو نگلنا ہوگا

خاکِ پروانہ بنو بھولے سے بھنورا نہ بنو
ورنہ محبوب کے کوچہ سے نکلنا ہوگا

بند ہو جائے گی پوجا یہ ریا کارانہ
چڑھتے سورج کو سرِ شام تو ڈھلنا ہوگا

وقت ہر وقت کسی کا نہیں ہوتا یکساں
وقت کو وقت پہ ہر حال میں ٹلنا ہوگا

شمع نے ہم کو یہی درس دیا ہے گوہرؔ
جو جلاتا ہے اُسے آپ بھی جلنا ہوگا

خود اپنی حقیقت کو سوچا ہے نہ سمجھا ہے
انسان مسائل سے دن رات اُلجھتا ہے

ہے تیغ بکف کوئی آئینہ بکف کوئی
اک کھیلتا ہے جاں سے اک چہرہ دِکھاتا ہے

تجدیدِ محبّت میں آ جا کہ گلے مِل لیں
تیرے لئے بہتر ہے میرے لئے اچھّا ہے

اس آنکھ مچولی پر کتنوں نے گنوا دی جاں
بادل سے مہِ کامل چھُپ چھُپ کے نکلتا ہے

عورت جسے تم صنفِ نازک ہی سمجھتے ہو
مُسکائے تو غنچہ ہے اَڑ جائے تو کانٹا ہے

اُس پر بھی نہ یوں اپنی دُزدیدہ نظر ڈالو
تم پر کوئی دیوانہ سو جان سے مرتا ہے

اک عقل کا تابع ہے اک حُکم کا تابع ہے
کِس مُنہ سے کہوں گو ہر انسان فرشتہ ہے

شاعر میں گر شعور نہیں شاعری کے ساتھ
جیسے ضیاء کی آس نہیں تیرگی کے ساتھ

نفرت کے ساتھ ساتھ محبت کسی کے ساتھ
بے معنیٰ دل لگی ہے یہ دل کی لگی کے ساتھ

آنکھیں کھلیں تو جانا شکستِ خودی کے ساتھ
بدنیتی کا ہاتھ تھا، بدقسمتی کے ساتھ

آلام و غم کے سایے ہیں ہر دم خوشی کے ساتھ
جیسے لگی ہوئی ہے اجل زندگی کے ساتھ

اچھی نہیں ہے تیز روی راہِ عشق میں
اس میں قدم جمایئے آہستگی کے ساتھ

رحمٰن اور رحیم ہے یارب تو بخش دے
آیا ہوں سامنے ترے شرمندگی کے ساتھ

مردہ دلی بھی موت سے گوہرؔ نہیں ہے کم
زندہ رہو جہان میں زندہ دلی کے ساتھ

چڑھائے میں نے جو گُل عقل کے مزاروں پر
وہ ہنس رہے ہیں مہکتی ہوئی فضاؤں پر

مشقّتوں کے صِلہ میں جو حُسن برستا ہے
کریں جو غور تو احسانِ رب ہے بندوں پر

تجھی سے مانگے ہوئے زورِ دست و بازُو سے
کمندیں ڈال رہا ہوں تری کمندوں پر

خرد کے دل کی سیاہی کوئی نہ دیکھ سکا
نظر ہے سب کی لباسِ جنوں کے دھبّوں پر

نفی کا عہدِ خزاں کون یاد رکھے گا
شبابِ گلشنِ اثبات ہے بہاروں پر

زباں سے مدح سرائی جو کی تو اپنوں کی
نگاہ کی تو فقط دوسروں کے عیبوں پر

لبوں پہ مُہر لگے آنکھ کچھ کہے نہ کہے
ہمارا حال رقم ہے جبیں کی چینوں پر

ہے موج موج عزازیل رقص میں گوہر
غرورِ علم کا دریا ہے آج زوروں پر

نظرِ بدی سے بچانا کوئی مذاق نہیں
بُروں کو راہ پہ لاتا کوئی مذاق نہیں

نظر نظر نئے فتنے ادا ادا محشر!
تمہاری بزم میں آنا کوئی مذاق نہیں

معاف کرنا کھلے دل سے پھر اماں دیکر
عدو کی جان بچانا کوئی مذاق نہیں

زبان لاکھ سہی ذاکرِ بشیر و نذیر
عتابِ حق سے ڈرانا کوئی مذاق نہیں

رضائے رب کیلئے خود لِسر کی گردن پر
چھری بہ شوق چلانا کوئی مذاق نہیں

جگر اُنہیں کا ہے جو مسکرا کے سہتے ہیں
تری نظر کا نشانہ کوئی مذاق نہیں

قدم قدم پہ گزرنا ہے دار سے گوہر
خدا کو دوست بنانا کوئی مذاق نہیں

ہر اک خیال میں یہ میرا خواب رکھ دینا
بھڑکتی شمع کے سر پر حجاب رکھ دینا
اُتار جامۂ ہستی جناب رکھ دینا
سوال ہونے سے پہلے جواب رکھ دینا

جو آپ جاننا چاہیں میری حقیقت کو
قدم قدم پہ مرے اک سراب رکھ دینا

اگر بتانی ضروری ہو عظمتِ آدم
جہاں کے سامنے اُمّ الکتاب رکھ دینا

سُنا ہے آپ سے ملنے وہ آنے والے ہیں
گلوں کے بیچ مہکتا گلاب رکھ دینا

اے ساقیا مرے علم و ہنر کے ساغر میں
کچھ آفتاب تو کچھ ماہتاب رکھ دینا

خموشیاں جو تڑپتی ہوں گفتگو کیلئے
قدومِ یار پہ دل کا رباب رکھ دینا

ضیاء جو آتی ہے چھَن چھَن کے وہ بہت کم ہے
ذرا الٹ کے تم اپنا نقاب رکھ دینا

گزرتے لمحوں کے کشکول میں ذرا گوہر
کوئی تو نیکیِ عہدِ شباب رکھ دینا

چھپا کے پیرہنِ کاغذی میں لے آیا
وہ تیرگی سے مجھے روشنی میں لے آیا

خودی کا بارِ گراں لے خودی میں لے آیا
مجھے خود علم نہیں کس خوشی میں لے آیا

یہ نامہ تو نے مری جاں کنی میں لے آیا
کب آنا چاہیئے تھا کس گھڑی میں لے آیا

وہ ایک قطرۂ شبنم جسے کہیں موتی
چمن کا حسن چٹکتی کلی میں لے آیا

عجیب شخص ہے اپنے ہنر کو جتلانے
سمندروں کا سفینہ ندی میں لے آیا

قدم قدم پہ مری ذات کی نفی کر کے
بڑے جتن سے مجھے زندگی میں لے آیا

معاف کر کے گنہ خود مجھے کرم تیرا
نگارخانۂ دانشوری میں لے آیا

اک انقلاب تو آیا نیا مگر گوہر
ہجومِ غم کو چھپا کر خوشی میں لے آیا

اِک بار جس کو اُن کا سراپا دکھائی دے
اُس کی نظر میں کوئی نہ جچتا دکھائی دے

اپنا دکھائی دے نہ پرایا دکھائی دے
جس کو جہاں پہ اپنا اِجارہ دکھائی دے

بُجھتی ہو جس سے فہم و فراست کی تشنگی
وہ قطرۂ حقیر بھی دریا دکھائی دے

برسات میں رَمیدہ غزالوں کو دیکھ کر
یادوں کا زخم اور بھی گہرا دکھائی دے

چوراستے پہ فرض کے اِک پُر وقار شخص
دُنیائے بے وقار کو ننگا دکھائی دے

رازق ہے رَبّ، پہ اپنی مشقّت سے جو ملے
گوہرؔ وہ لقمہ کب مَن و سلویٰ دکھائی دے

جو حُسن لہجہ کا ہے ذائقہ زبان کا ہے
وہ سونا سونا ہے خالص یہ کان کان کا ہے

وہاں لحاظ کہاں حُسن کے بیان کا ہے
سوالِ عشق، زلیخا کی آن بان کا ہے

خود اپنے لوگوں نے اِک مسئلہ بنا ڈالا
مُعاملہ جو ترے میرے درمیان کا ہے

یقیں کی منزلِ مقصود سے جو لوٹ آیا
قصور اس میں سراسر ترے گمان کا ہے

اسے سجائیں کہاں کِس مقام پر رکھیں
ستارہ ٹوٹا ہوا یہ جو آسمان کا ہے

مِلن، جدائی، وفا، بے وفائی پیار نِفاق
یہ سلسلہ تو ہر اِنساں کے خاندان کا ہے

تمہارا نام ہی رٹتا ہے رات دن گوہر
سوال لازمی جیسے یہ امتحان کا ہے

حوصلے گر جلا نہیں دیتے
راستے راستہ نہیں دیتے

ہم جو طاقت بتا نہیں دیتے
یہ شقی سر جھکا نہیں دیتے
اپنی صورت کسے نظر آتی
ہم اگر آئینہ نہیں دیتے

اُمّتِ خیر خواہ ہیں ہم ہیں
شر کو ہرگز ہوا نہیں دیتے

یاد رکھو اے طالبانِ علوم
سب کے در پر صدا نہیں دیتے

جس میں پوشیدہ ہو دُر یا گوہر
بول وہ ذائقہ نہیں دیتے

اُن کی جاں اُن کے جاں نثار ہیں ہم
دید کو پھر بھی بے قرار ہیں ھم

کیوں نہ وہ دیکھ دیکھ کر خوش ہو
اُس کی قدرت کا شاہکار ہیں ہم

تو ہمیں چھوڑ ہی نہیں سکتی!!
زندگی تیرا اعتبار ہیں ہم

وہ کبھی شعلہ تو کبھی شبنم
کبھی پت جھڑ کبھی بہار ہیں ہم

اُس کی صنّاعی اُس کی قُدرت کا
چلتا پھرتا اک اشتہار ہیں ہم

ایک ہے اپنا ظاہر و باطن
جو بھی ہیں سب پہ آشکار ہیں ہم

ہر نفس ہے نیا جہاں گوھر
اَبلقِ فکر پر سوار ہیں ھم

چلتے چلتے آ گئے ہیں ہم قریبِ دار کیوں!
ہو گیا نظروں سے اوجھل قافلہ سالار کیوں

خواب بُنتے جا رہے ہیں ہم خیالوں کے مگر
ہو نہیں پاتا کوئی اِک خواب بھی ساکار کیوں

لفظ اپنے بے اثر بے معنیٰ ہو کر رہ گئے
چھن گئی ہے آج ہم سے جُراتِ اظہار کیوں

یا تو مُہلت مِل گئی ہے یا ہے میرا امتحاں
اب ڈبوتا ہی نہیں کشتی مری منجھدھار کیوں

آج بھی ماتھوں پہ سجدوں کے نمایاں ہیں نشاں
سُرخرو اسلاف تھے ہم ہیں ذلیل و خوار کیوں

اب سمجھ میں آ رہا ہے اُن کا ہو جانے کے بعد
ہار اُن کی جیت کیوں ہے جیت میری ہار کیوں

فائدے کی بات ہو تو ہو عوام الناس میں
گفتگوِ افکار کی گوہر پسِ دیوار کیوں

وہ قاتل کو مسیحا لکھ رہے ہیں
جنوں میں جانے کیا کیا لکھ رہے ہیں

بر ساحل تمنّا لکھ رہے ہیں
محبت کا خلاصہ لکھ رہے ہیں

ہماری کج کلاہی کی سند میں
جو چھوڑا تم نے شوشہ لکھ رہے ہیں

بڑے معصوم بن کر پوچھتے ہیں
تمہیں کیا ہو گیا، کیا لکھ رہے ہیں

کبھی لکھی نہ اپنی بے وفائی
مرا ہمدرد غصّہ لکھ رہے ہیں

مری خاموش خدمت پر بھی لکھیے
جب آپ اپنا دکھاوا لکھ رہے ہیں

مقامِ عظمتِ آدم گھٹا کر
ہم انساں کو فرشتہ لکھ رہے ہیں

قتیلِ خنجرِ ابرو بھی لکھیے
اگر جھونکا صبا کا لکھ رہے ہیں

بہ شکلِ امتحانِ زیست گوہر
سبھی قسمت کا لکھا لکھ رہے ہیں

نہ صورت اور نہ سیرت سامنے تھی
سرِ محشر شفاعت سامنے تھی

حقیقت سے بغاوت کیسے کرتا
خدایا تیری قدرت سامنے تھی

چلی آتی تھی ذلت پیچھے پیچھے
مری اک اک ضرورت سامنے تھی

عطاؤں کی تھیں اسنادات پیچھے
بظاہر میری شہرت سامنے تھی

میں خود قسطوں میں جینے پر بضد تھا
دواجب ضرورت سامنے تھی

تھا اُن کا ناچ بربادی کا لیکن
تری خاموش اجازت سامنے تھی

سرابوں کے سفر پر جا رہا تھا
جو ہونی تھی ہزیمت سامنے تھی

ہوئیں گُل ساری اُمیدوں کی شمعیں
مگر اِک تیری صورت سامنے تھی

جہاں تقویٰ تھا گوہر سر بہ سجدہ
وہاں غیبت ہی غیبت سامنے تھی

آپ کی تعریف تو کرتے ہیں لوگ
یاد رکھو کان کے کچے ہیں لوگ

عاقبت کی فکر جو کرتے ہیں لوگ
دھن کے پکے بات کے سچے ہیں لوگ

یہ جہاں ہے وہ کتب خانہ جہاں
دوسروں کو پڑھ کے خوش ہوتے ہیں لوگ

ہے بڑا پن یہ کہ تم خود چپ رہو
جب یہ سمجھو کہ بہت ہلکے ہیں لوگ

آدمی کچھ دیر یہ بھی سوچ لے
غائبانہ مجھ کو کیا کہتے ہیں لوگ

جس کو جو چاہا بنا کر رکھ دیا
اُس کے ہاتھوں تاش کے پتے ہیں لوگ

جن میں گوہر کچھ بھی خودداری نہیں
وقت کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں لوگ

احساسِ برتری کے ہیں یا کمتری کے ہیں
ہنگامے انجمن میں گھڑی دو گھڑی کے ہیں
دیوانے سب اُسی کے ہیں جلوے اُسی کے ہیں
دل کی لگی کے کچھ ہیں تو کچھ دل لگی کے ہیں

جی چاہتا ہے پیار کی فصلیں اُگائیے
آثار اس زمین میں کچھ کچھ نمی کے ہیں

اِن پر نہ کوئی لفظ کسو مت بُرا کہو!!
یہ دوستوں کے بچے ہیں اپنی گلی کے ہیں

غیبت، غرور، کِذب، رِیا، بُغض اور حسد
ساماں یہ سارے آپ کی غارتگری کے ہیں

طوفان و حادثات نے چونکا دیا جنھیں
قائل وہ سارے لوگ ہیانہ روی کے ہیں

پھیلا ہے چار سُو تری انگڑائیوں کا جال
مارے ہوئے سبھی تری عشوہ گری کے ہیں

کیا ہو سکے گی اِن سے زمانہ کی رہبری
یہ بد دماغ لوگ نئی روشنی کے ہیں

محسنؔ وفا شعار، دغا باز، چلباز
گوہر یہ سارے رُوپ اِسی آدمی کے ہیں

پہلے تم خود کو خوش کلام کرو
بعد دنیا کو زیرِ دام کرو

شیخ جی کو اگر سلام کرو
برہمن ہو تو رام رام کرو

چاہتے ہو جو رب کو رام کرو
اُس کا گُن گان صبح و شام کرو

لوگ یوں ہی بڑا نہیں کہتے
نام چاہو اگر تو کام کرو

ہو تمہارا جو امتحاں مطلوب
اسپِ فطرت کو بے لگام کرو

چھوڑ جاؤ نقوشِ لافانی
اس سرائے میں جب قیام کرو

اپنا دشمن ہے اپنا ناداں دوست
دور ہی سے اُسے سلام کرو

جہل سے جنگ ہو اگر درپیش
علم کی تیغِ بے نیام کرو

عیب ہو تو کرو ستر پوشی
کام کی بات ہو تو عام کرو

لب نہیں ساتھ دیتے بعض اوقات
اپنی آنکھوں سے ہی کلام کرو

بہتر انجام کے لئے گوہر
حق کی تشہیر گام گام کرو

مرا نصیب مرا مدّعا ملے تو سہی
مٹوں گا میں جو ترا نقشِ پا ملے تو سہی

قدم قدم پہ جل اٹھیں گے آگہی کے چراغ
ہر انتہا کو تری ابتداء ملے تو سہی

زمانہ کیسے کسی اور پر نظر کرتا
تری ادا سے کسی کی ادا ملے تو سہی

کبھی کبھار کا رسماً کبھی کوئی ملنا ہے
کوئی خلوص سے باضابطہ ملے تو سہی

نہ جانے کیوں یہ وسیلے صدا لگاتے ہیں
براہِ راست کوئی اُس سے جا ملے تو سہی

میں تن بدن میں سما لوں گا ہر کرن اس کی
ترے اشارہ کا سورج اگا ملے تو سہی

نہ ڈھائی جائے گی مسجد نہ گھر جلیں گے کبھی
بُروں کو اُن کے کئے کی سزا ملے تو سہی

فضائے فکرِ رسا تو بُلا رہی ہے ... مگر
پرندہ عقل کا پر تولتا ملے تو سہی

ملے نہ دل ہی تو پھر ہاتھ کیسے مل پاتے
رہِ حیات میں ہم جا بہ جا ملے تو سہی

وہ عشق عشق پکارے گا عمر بھر گو ہر
کسی کو وہ مرضِ لا دوا ملے تو سہی

بڑھ رہے تھے راہ رو جب راہ آساں دیکھ کر
مسکرائیں آفتیں منزل کو حیراں دیکھ کر

پائے باطل ڈگمگائے میرا ایماں دیکھ کر
رات رخصت کیوں نہ ہو مہرِ درخشاں دیکھ کر

چل سنبھل کر راہِ کنعاں سوئے زنداں دیکھ کر
تھم گیا خود وقت تجھ کو پا بہ جولاں دیکھ کر

عشق میں جل جل کے مرنے کا نظارہ کیجیے
آئے گا پروانہ جب شمعِ فروزاں دیکھ کر

کیسے کیسے گُل ہوئے نذرِ خزاں سوچو ذرا
ہو رہے ہو خوش بہت جشنِ بہاراں دیکھ کر

ہار جیت اپنی جگہ لیکن کھلاڑی کی نظر
کھیل کا اندازہ کر لیتی ہے میداں دیکھ کر

تا حدِ امکاں نہ تھا گو ہر کسی کا ہمسفر
لوٹ آیا ہوں غمِ دل کا بیاباں دیکھ کر

پائی تھی مشکل سے فُرصت کھو گئی
آپ کے ملنے کی صوُرت کھو گئی

شرم، تہہ داری شرافت کھو گئی
آدمی کی آدمیت کھو گئی

میں ہجومِ یاس میں کھو یا گیا
ذہن و دل کی ہر ضرورت کھو گئی

ہر قدم پر ہیں حجاباتِ مجاز
اُن کی جگ مگ میں حقیقت کھو گئی

دولت و صحت یہ مانا ہیں اہم
لُٹ گیا وہ جس کی عزت کھو گئی

اُن سے میں اور مجھ سے وہ انجان ہیں
ہائے اِکس منزل پہ غُربت کھو گئی

ڈھونڈھتا ہوں رات دن گو ہر اُسے
بھیڑ میں غم کی مسرت کھو گئی

جن کو نسبت ہے تیرے جلووں سے
وہ بہلتے کہاں ہیں باتوں سے

گر سمجھ ہو تو انفراد کرو
گھر جلا لو نہ ڈر کے چوہوں سے

ٹوٹ جاتے ہیں دل رہو محتاط
کچھ سوالوں سے کچھ جوابوں سے

کیا پسند آئے گی غزل میری
ہٹ کے کہتا ہوں عام لوگوں سے

آپ سے مِل کے پہلی بار لگا
جیسے میں جانتا ہوں برسوں سے

چاہیئے اِن کو پیار کے دو بول
بحث کیجئے نہ چھوٹے بچوں سے
کام آئیں گے یہ کبھی نہ کبھی
بیر اچھا نہیں ہے اپنوں سے

ہونٹ اپنے ہیں دانت اپنے ہیں
کیا شکایت کروگے لوگوں سے

آج میدانِ علم و حکمت میں
عورتیں کم نہیں ہیں مردوں سے
سبق اجتماعیت سیکھو
سات قوسِ قزح کے رنگوں سے

لاکھوں پیکر ظہور پاتے ہیں
نور چھنتا ہے جب جھروکوں سے

جب سے وہ دل میں بس گئے گوہر
اُڑ گئی نیند میری آنکھوں سے

انکار کے پردے میں جو اقرار چھپا ہے
ہونٹوں پہ ترے مثلِ شررِ ناچ رہا ہے

آوازِ جرس ہے نہ کوئی بانگِ درا ہے
اک تارِ نفس کانوں میں رس گھول رہا ہے

ہے تیغ بکف کوئی، کوئی محوِ دعا ہے
وہ مرنے کا انداز، یہ جینے کی ادا ہے

شانہ پہ لئے اپنے مکافات کا لاشہ
انسان خرابوں کے جزیرہ میں کھڑا ہے

شورِ غمِ مفلس ہو کہ شورِ طربِ شاہ
جس تیزی سے اٹھا اسی تیزی سے گرا ہے

ہرگز نہ کسی دانۂ بے جا کی ہوس کر
طائر کوئی پنجرہ میں کھڑا بول رہا ہے

جو بہرِ نمائش تھا وہ عزت کا اثاثہ
محفل سے بچا تو سرِ بازار لٹا ہے

یہ تیرا کرم ہے کہ میں کچھ بول رہا ہوں
ورنہ مرے مولا مری اوقات ہی کیا ہے

کل تک تھی نظر میری قضا اور قدر پر
اب پیشِ نظر مسئلہ جرم و سزا ہے

اُس سر کو نہیں ایٹمی چھتری کی ضرورت
جس سر پہ غریبوں کی دعاؤں کی ردا ہے

آنکھ اشک ندامت سے دھلی آج تو جانا
آئینہ نیا آئینہ خانے میں لگا ہے

مے خانے کا ساقی نے جسے شیخ بنایا
گو ہر دہی میخوار سرِ دار کھڑا ہے

بھنور سفینہ کو جوں راستہ نہیں دیتا
وفا کے بدلے وفا بے وفا نہیں دیتا

محل خلوص کا جب تک گرا نہیں دیتا
شک آدمی کا کوئی راستہ نہیں دیتا

فقیر و شاہ کی رفتار الگ الگ ہی سہی
صدا زبان کی اقدام پا نہیں دیتا

خزاں کے دور میں گلشن سے گل کی چاہ نہ کر
ضعیف آدمی اپنا عصا نہیں دیتا

کسی پہ رونے سے پہلے سکون سے سوچو
بلا سبب تو کوئی بد دعا نہیں دیتا

شعور، مرتبہ، اخلاق، دولت و عزت
عطا یہ آتا ہے مالک تو کیا نہیں دیتا

ہزار خوشیوں کی دولت لٹا دے بھی گوہر
کوئی غموں کا اثاثہ لٹا نہیں دیتا

وہ قیامت جو بصد ناز و ادا چلتی ہے
ایسا لگتا ہے صبا ہوش رُبا چلتی ہے

کام آتی ہے دُعا اور نہ دوا چلتی ہے
میری ہستی جو کبھی سُوئے فنا چلتی ہے

مجھ خطا کار پہ جب اُس کی عطا چلتی ہے
سانس رکتی بھی اگر ہے تو صدا چلتی ہے

سینہ تانے ہوئے چلتا ہوں میں پیچھے پیچھے
آگے آگے مرے مولا کی رضا چلتی ہے

قیدیٔ حیطۂ ادراک مہ و مہر پہ بھی
گر حکومت تری چلتی ہے تو کیا چلتی ہے

صاف گوئی کے لیئے جائے اماں تک نہ رہی
آج صحرا میں بھی آلودہ ہوا چلتی ہے

نیک و بد کار کی تکرار عبث ہے گوہر
وہی رہبر ہے یہاں جس کی ہوا چلتی ہے

گھانس کے تودے کو اپنا آشیاں کہتے رہو
کیا بگاڑے گی بھلا برقِ تپاں کہتے رہو

ہر کس و ناکس کو اپنا رازداں کہتے رہو
جھیلیں ہیں پھر کیسی کیسی سختیاں کہتے رہو

بیچ کھائیں گے وطن کا ذرّہ ذرّہ ایک دن
خود فروشوں کو وطن کا پاسباں کہتے رہو

صبح دم ہم شمع کی مانند بجھ ہی جائیں گے
رات بھر کوئی نہ کوئی داستاں کہتے رہو

چپّہ چپّہ میں لگا کر آگ ہندوستان کے
مختلف پھولوں کا ہے یہ گلستاں کہتے رہو

لوگ اس کو واقعہ سمجھیں گے اک دن واقعی
اک کہانی داستاں در داستاں کہتے رہو

یہ جہاں نعرے لگائے گا تمہاری مدح میں
دانا ناداں کو، زمیں کو آسماں کہتے رہو

اپنی خودداری کو گوہر دو ٹکوں میں بیچ کر
آپ بیتی کو حدیثِ دیگراں کہتے رہو

جب انجمن میں تذکرۂ دلِ براں چلا
مجھ کو خبر نہ تھی کہ مرا دِل کہاں چلا

میں ناگہاں ہی آیا تھا اور ناگہاں چلا
دو چار روز رہ کے یہاں میہماں چلا

معراجِ بندگی کی یہ اعلیٰ مثال ہے
زائر کی پیشوائی کو جب آستاں چلا

تقویٰ وہ ہے کہ بندہ سے اللہ خود کہے
تو ہی مدا کاروبارِ زمین و زماں چلا

پاتے ہی اِک حسین اِشارہ خلوص کا
میں توڑ کر فصیلِ غمِ دو جہاں چلا

اِکبار گی تو چشمِ عنایت سے کر نظر
تیرِ جفا نہ مجھ پہ مِری جانِ جہاں چلا

نیکوں سے رب کے وعدۂ جنت کے باوجود
گوہر جہاں سے کون بھلا شادماں چلا

ادائیں، شوخیاں، الھڑ شرارتیں بھی گئیں
ڈھلا شباب تو ساری نزاکتیں بھی گئیں

روایتیں بھی گئیں اور حکایتیں بھی گئیں
وہ رکھ رکھاؤ وہ چاہت وہ صحبتیں بھی گئیں

ملا کے رکھ دیا دو پاٹ بہتے پانی نے
گلے ملے تو پرانی عداوتیں بھی گئیں!

چمن میں مستیٔ رنگِ بہار ہی نہ رہی
یوں لگ رہا ہے کہ پھولوں سے نکہتیں بھی گئیں

عروج دیکھا نہیں جاتا ہم سے اوروں کا
وہ نیتیں بھی گئیں اور وہ برکتیں بھی گئیں

زبان شعر و ادب کا شعور لازم ہے
رہے گا کیا جو ادب سے ملاحتیں بھی گئیں

کدورتوں سے دل آلودہ ہو گئے گوہر
ملاوٹوں سے غذاؤں کی لذتیں بھی گئیں

یہ ہے غلط کہ آپ سے رغبت نہیں مجھے
بے جا عنایتوں کی ضرورت نہیں مجھے
کوتاہیوں نے رکھ دیا آئینہ توڑ کر
خود سے نظر ملانے کی جرأت نہیں مجھے

جو چومتی رہی میرے اسلاف کے قدم
کیا بات ہے کہ آج وہ عزّت نہیں مجھے
"فطرت کبھی بدل نہیں سکتی" حدیث ہے
کیوں پھر بھی اعترافِ حقیقت نہیں مجھے

کچھ اس طرح رِجھایا ہے حُسنِ مجاز نے
عرصہ سے جستجوئے حقیقت نہیں مجھے
سیراب کیسی کیسی زمینوں کو کر گیا
دریا ہوں سوچنے کی ضرورت نہیں مجھے

وعدہ خلافیوں کے سرابوں میں پھنس گیا
تیرے حضور آنے کی ہمّت نہیں مجھے
تقسیم کر رہا ہوں زمانہ میں روشنی
اوروں کے احتساب کی فرصت نہیں مجھے

گوہرؔ میں شبہ یہ نفس کی کیا کیا نہ کر گیا
اپنے سوا کسی سے شکایت نہیں مجھے

بہار کر کے جو سولہ سنگھار رقص میں ہے
جنوں کا پیرہن تار تار رقص میں ہے

مری نگاہ کا سارا حصار رقص میں ہے
میں دار پر ہوں مرا اعتبار رقص میں ہے

پیالہ رقص کناں ہے خمار رقص میں ہے
قدومِ ساقی پہ ہر بادہ خوار رقص میں ہے

فلک کو معترفِ عظمتِ زمیں پا کر
زمیں کی فطرتِ بے اختیار رقص میں ہے

ملی آسی کو جو کشکول دل بڑھا کے لیا
ازل سے رحمتِ پروردگار رقص میں ہے

نظر میں نور تو دل میں سرور ہے رقصاں
تو آ رہا ہے مرا انتظار رقص میں ہے

ہنر جبیں پہ لئے اپنے اپنے خالق کا
وفورِ شوق میں ہر شاہکار رقص میں ہے

ہے جس کے زیر اثر آج بے ضمیر بشر
مدارِ گردشِ لیل و نہار رقص میں ہے

نگاہِ بحرِ تلاطم سے دور اے گوہر
ہر ایک موج لبِ جوئے بار رقص میں ہے

مرے ملال پہ پُر زور قہقہہ دے گا
مرا عدُو مری مشکل پہ مسکرا دے گا

وہ میرے ہاتھ میں گر آج بھی عصا دے گا
لگاؤں ضرب تو دریا بھی راستہ دے گا

دل و نگاہ کو کچھ اور اشتہا دے گا
حسیں نظارہ تو خوابوں کا سلسلہ دے گا

کبھی یہ سوچ کہ نادان دوست کیا دے گا
وہ اپنے جُرموں کا انبار تجھ پہ لا دے گا

یہ سوچ تُو نے دیا کیا ہے اس زمانہ کو
اگر تو کچھ نہیں دے گا تو دوسرا دے گا

ہزار خوشنما الفاظ سے سجا گوہر
ترا سخن ترے معیار کا پتا دے گا

ہے پتھروں کا ڈھیر مرے سر کے سامنے
قطروں کی کیا بساط سمندر کے سامنے

قد کا پتہ بھی دیتا ہے چہرے کے ساتھ ساتھ
چھوٹا سا آئینہ بھی قد آور کے سامنے

آدمؑ ارم سے نکلے تو یوسفؑ ہوئے اسیر
مجبور ہر بشر ہے مقدّر کے سامنے

یہ دیکھنا ہے آج کسے دیکھتے ہیں لوگ
آئینہ بن کے بیٹھا ہوں منظر کے سامنے

جب سے کھڑا ہوں سر پہ کفن تیری راہ میں
اب گردشیں بھی آتی نہیں ڈر کے سامنے

قسمت پہ میری کیوں نہ کرے رشک میکدہ
نظروں سے پی رہا ہوں جو ساغر کے سامنے

گو ہر نہ آبیاری گئی تیری رائیگاں
کچھ پھول تو کھلے ہیں ترے گھر کے سامنے

خوش تمہیں جو بھی پا کے ہوتے ہیں
وہ حدِ جاں سے جا کے ہوتے ہیں

نقشے بنتے ہیں وہ کہیں نہ کہیں!
ذہن میں جو بھی خاکے ہوتے ہیں

سارے جھگڑے جہانِ فانی میں
تیری رنگیں ادا کے ہوتے ہیں

آمدِ آفتاب سے پہلے
اوس میں گُل نہا کے ہوتے ہیں

چند نقشِ قدم، نقوشِ حیات
راستے چل چلا کے ہوتے ہیں

تیری دہلیز سے گزرتے ہیں
جتنے رستے وفا کے ہوتے ہیں

خامشی پر بھی میری اے گوہر
دشمنوں پر دھما کے ہوتے ہیں

یہ بات مان لیجئے فوری اثر کے ساتھ
سا گر ہیں رہ کے بیر نہ کرنا مگر کے ساتھ

ہوتا یہی ہے عشق میں پہلی نظر کے ساتھ
خلوت میں باتیں ہوتی ہیں دیوار و در کے ساتھ

پگڈنڈیاں جو آ کے ملیں میری راہ سے
کرتے ہیں چھیڑ چھاڑ نظارے نظر کے ساتھ

مظلوم کی نہ لے کبھی بھولے سے بد دعا
کھلواڑ کر نہ طائرِ بے بال و پر کے ساتھ

پیوندِ خاک ہیں منوں مٹی تلے دبے
رہتے تھے جو جہاں میں بڑے کرّ و فر کے ساتھ

اپنی زباں میں حمد و ثناء کرتے ہیں طیور
بیدار ہو جا تو بھی اذانِ سحر کے ساتھ

اچھا نہیں ہے سمتِ مخالف میں تیرنا
طوفان میں دیا نہ جلا کرّ و فر کے ساتھ

مرغِ اسیرِ اہلِ دول عافیت کی سوچ
کرنا فضائے علم میں پرواز ڈر کے ساتھ

گو ہم مصیبتوں سے کسی کو نہیں فرار
لپٹی ہوئی ہیں گردشیں آٹھوں پہر کے ساتھ

راہ کی رہ گیر کی اور راہبر کی سوچنا
گر سفر درپیش ہو تو ہمسفر کی سوچنا

کر کے منزل کا تعیّن تم سفر کی سوچنا
پہلے اک پودا اگانا پھر ثمر کی سوچنا

چھوڑ کر گلشن ہوائے دربدر کی سوچنا
مرغِ صیدِ وقت بانگ بے اثر کی سوچنا

ہر قدم پر اک نیا جلوہ ہے تیرا منتظر
اس جہاں میں اپنی چشم کم نظر کی سوچنا

حق ہے حق، باطل ہے باطل ایک سچ تو ایک جھوٹ
سوچنا تو امتیازِ خیر و شر کی سوچنا

سوچنا سارے زمانے کے تعلق سے مگر
لمحہ بھر اپنی حیاتِ مختصر کی سوچنا

آج کل پتھراؤ کا موسم ہے گوہر ہوشیار
گھر سے باہر جانا ہو تو اپنے سر کی سوچنا

ملول کر کے مجھے یادِ رفتگاں اکثر
ہوئی ہے شہرِ خموشاں میں بے اماں اکثر

بنے ہیں لفظ وہی زیبِ داستاں اکثر
جو بے زباں کو عطا کر گئے زباں اکثر

بیان کر کے احادیثِ دیگراں اکثر
لگا ہیں دے گئیں لمحاتِ جاوداں اکثر

گھرا ہے چاروں طرف میرے دشتِ تنہائی
دکھائی دیتا نہیں مجھ کو آسماں اکثر

نئی جہت، نئے عنواں، نئے اضافہ سے
سنائی اس نے مجھے میری داستاں اکثر

جہاں میں کوئی بہت کم کسی سے ڈرتا ہے
ڈراتی رہتی ہیں اپنی ہی خامیاں اکثر

جنھیں شعورِ غمِ زندگی نہ تھا ان کا
سہارا بن گئی صہبائے ارغواں اکثر

گزار کر بھی بہاروں میں عمر بھر گوہرؔ
دیے ہیں میں نے سر دار امتحاں اکثر

تو صبحِ بنارس شامِ اودھ تو روحِ بہاراں جانِ غزل
میں چرخِ تخیل پر رقصاں احساس کا آوارہ بادل
وہ حسن و حیا سبحان اللہ اک ایک ادا ماشاء اللہ
فردوسِ نظر اللہ اللہ اندازِ سخن مخمل مخمل

مفہوم ہمالہ جانو تو ایورسٹ پہ چڑھنے کی ٹھانو تو
عرفاں کے چمن کے رستے میں لگتا ہے جہالت کا جنگل
یہ ساری سیاسی تبدیلی ہے تابعِ آیت "کن فیکون"
مژدہ ہے نئے طوفانوں کا خناس دماغوں کی ہلچل

مے نوشی بہت آسان سہی پر عشقِ بتاں آسان نہیں
ہے سامنے تیرے بت خانہ اے مستِ مئے اقدار سنبھل
اک رنگ میں مجھکو دیکھ سبھی بہروپیا تجھکو کہتے ہیں
میں روپ بدل لوں گا تیرا اک بار تو میرا رنگ بدل

آئینِ سفر میں اولیت اس کو ہے کہ عزم راسخ ہو
رکنا ہے تو منزل دیکھ کے رک چلنا ہے تو رستہ دیکھ کے چل
دنیا ہے تماشہ گاہِ خودی ہے گاہے الم تو گاہے خوشی
دو سانسوں کی ہے جادوگری اک سانس حیات اک سانس اجل

ہے مسخ ہر اک منظر گو تر ہے سکتہ میں ہر اہلِ نظر
ہر آئینہ ہے مدھم مدھم ہر چہرا ہے بوجھل بوجھل

بندہ، پروردگار تیرا تھا
کرمِ بے شمار تیرا تھا
ق

سر جھکاتا نہیں تو کیا کرتا
ہر جگہ اقتدار تیرا تھا

اے مرے نفس اُن کے ہاتھوں میں
دامنِ تار تار تیرا تھا

جتنا چاہا پلا دیا تو نے
مئے تری، میگسار تیرا تھا

کس سے انصاف میں طلب کرتا
شہر اور شہریار تیرا تھا

فکرِ فردا کی آندھیاں توبہ
آشیاں ڈار ڈار تیرا تھا

تو نے تو پرزہ پرزہ کر ڈالا
میں خود اک اشتہار تیرا تھا

کس طرح خالی جاتا اے گوہر
تیغِ عبرت کا وار تیرا تھا

ساگر کا ہر قطرہ بولا
خبر دار جو ندیا بولا

ہونٹ سی لئے جب بھی پُروا لے
گھر کا بچّہ بچّہ بولا

میرے رِشی کا میں ہوں دشمن
وِشوامتر کا غصّہ بولا

آج کا شاعر ماشاء اللہ
چوپائی کو دوہا بولا

اپنی روشنی کھودی میں نے
چرخ سے ٹوٹا تارا بولا

گر جاؤں گا ٹوٹ کے اک دن
پھٹا پرانا پردہ بولا

کہتا تھا جو کل تک بابو
آج مجھے وہ چاچا بولا

اب جی بھر کر رو لو گوہر
صحرا کا سنّاٹا بولا

آنکھوں میں جا گزیں جو تیری ادا ہوئی
دل کو نظر تو سوچ کو منزل عطا ہوئی

وہ تیز و تند آندھی کبھی کے ہوا ہوئی
پھر بھی نہ جانے کتنوں کے حق میں بلا ہوئی

پہلے ہوا یہ حکم کہ جی بھر کے دیکھنا
دیکھا جو اک نظر تو سدا کی سزا ہوئی

میں کیسے مر نہ جاتا تجھے دیکھنے کے بعد
مجھ کو خوشی ہوئی بھی تو بے انتہا ہوئی

کہتی ہے آنکھ جلوۂ جاناں نہ ہو گیا
کہتا ہے دل نمازِ محبت ادا ہوئی

حق پر ہوں اور رحمتِ حق سر پہ ہے مرے
ہر بد دعا تری مرے حق میں دعا ہوئی

ٹکرا کے کوہِ ہوش سے گونجی نہ جانے کیوں
میری پکار دشتِ جنوں کی صدا ہوئی

تیری چاہت کے حوالے ہو گئے
ہم زمانہ میں نکمّے ہو گئے

کھوتے کھوتے اپنا سب کچھ کھو دیئے
ہوتے ہوتے ہم تمہارے ہو گئے

چھوڑ دی خود دشمنوں نے دشمنی
دوست جب بھی خوں کے پیاسے ہو گئے

کچھ نے معشوق اور کچھ نے رب کہا
ہر ادا پر تیری جھگڑے ہو گئے

جب بھی آئی آزمائش کی گھڑی
لوگ سارے گونگے بہرے ہو گئے

جن کا ظاہر ہے الگ باطن الگ
آج کے لیڈر لٹیرے ہو گئے

ہم نے اپنا دل جلا کر رکھ دیا
جب کبھی گوہرؔ اندھیرے ہو گئے

تو ہی جانِ زندگی ہے تو ہی شانِ زندگی
تجھ کو منزل مانتے ہیں رہروانِ زندگی

ہر قدم دیتے رہے ہیں امتحانِ زندگی
موت سے ڈرتے ہیں کب زندہ دلانِ زندگی

لشکرِ فرعون حائل ہو کہ افواجِ یزید
بے خطر بڑھتا رہا ہے کاروانِ زندگی

اتنی دوری پر بھی قربت یہ کہ شہ رگ سے قریب
ہیں مکانِ زندگی تو لامکانِ زندگی!

کیا ہوئے گل وہ شمیم روح افزا کیا ہوئی
آندھیوں سے بھر گیا ہے گلستانِ زندگی

لکھنا پڑھنا اور ہے اظہارِ منشا اور ہے
جانتا ہے ہر کس و ناکس زبانِ زندگی

شک ہی شک میں مبتلا رہتا ہے گو ہر عمر بھر
خوش نہیں رہتا کسی سے بدگمانِ زندگی

کُو بکُو دَر بَدَر دیکھتے رہ گئے
ہم تمہاری نظر دیکھتے رہ گئے

لعل و گوہر کی جوں ہی چھڑی گفتگو
وہ مِری چشمِ تر دیکھتے رہ گئے

اُن سے پُوچھا کسی نے محبت ہے کیا
وہ مرا دردِ سر دیکھتے رہ گئے

جانے والے گئے آن میں عرش تک
لوگ گردِ سفر دیکھتے رہ گئے

گھر کی پہنائیاں قتل ہوتی رہیں
سارے دیوار و در دیکھتے رہ گئے

وقت کا ریلا سب کچھ بہا لے گیا
صاحبِ کرّ و فر دیکھتے رہ گئے

اپنے جلوؤں میں آئے سنور کر مگر
میرا حُسنِ نظر دیکھتے رہ گئے

شعر گوہر کہے ہم نے وجدان میں
لوگ عیب و ہنر دیکھتے رہ گئے

دنیا ہے کیا حُدودِ اَنا سے نکل کے دیکھ
اک بار تو خلوص کی آتش میں جل کے دیکھ

کُہرا ہے کیسا چھایا ہُوا آنکھ مَل کے دیکھ
اے نور کے نقیب اندھیرا نگل کے دیکھ

حق کیا ہے بر فرازِ ریا سے نکل کے دیکھ
اپنی نظر بدل یا نظارہ بدل کے دیکھ

بدلے ہوئے ہیں آج جو تیور اجل کے دیکھ
ہر راہ حادثات سے پُر ہے سنبھل کے دیکھ

اندر بڑی صفائی ہے گُل دان ہیں سجے
کیچرا بھرا ہوا ہے عقب میں محل کے دیکھ

کوشش میں تیری ہوتا ہے اللہ بھی شریک
دو چار گام جانبِ منزل تو چل کے دیکھ

اک انقلابِ نو کا سبھی کو ہے انتظار
گو ہر رُخ ہوائے زمانہ بدل کے دیکھ

ہم جو گدائے کوچۂ اغیار بن گئے
دنیا کے رنگ منچ کے کردار بن گئے
تجھ سے ملیں نگاہیں تو میخوار بن گئے
دیکھیں ادائیں اور اداکار بن گئے

ہم بے کسوں کے جب بھی طرفدار بن گئے
باطل کے آگے آہنی دیوار بن گئے

قسمت نے تیرہ بختوں کی جب یاوری نہ کی
دردر بھٹکنے والوں کے سردار بن گئے

اب تم بھی دیکھ لو کہ قد آور ہیں یا نہیں
جو بیج ہیں نے بوئے تھے اشجار بن گئے

طوفاں کی زد میں چھوڑ کے بوڑھے درخت کو
پتے ہوا کے حاشیہ بردار بن گئے

رہتے تھے ساتھ ساتھ جو اک دوست کی طرح
وہ میری جائیداد کے حقدار بن گئے

تیری ہنسی کے موتی ترے قہقہوں کے پھول
تقسیم ہو کے سُبحہ و زُنّار بن گئے

جو دو قدم بھی چل نہ سکے قافلے کے ساتھ
گو ہر وہ لوگ قافلہ سالار بن گئے

غریب ہوں بھی تو گھر اپنا خوشنما رکھنا
سجا کے جا بجا گلدستۂ آنا رکھنا

برا نہیں ہے ہر انساں سے رابطہ رکھنا
مگر یہ شرط ہے تھوڑا سا فاصلہ رکھنا

جھپٹنا شیر کی مانند حق کے لینے میں
معاف کرنے پہ آنا تو دل بڑا رکھنا

دعائیں اپنے لئے مانگنی ضروری ہیں
مفاد میں ہو جو سب کے وہ مدعا رکھنا

بنے گا وہ شجر سایہ دار سب کیلئے
مکاں کے سامنے پودا کوئی لگا رکھنا

نہ ربط ٹوٹے کہیں بیکسوں، غریبوں سے
رہیں بھی چپ تو درِ دل سدا کھلا رکھنا

بھلائی چاہیں خدائی کی اور خود اپنی
سبھی پسند کریں جس کو وہ ادا رکھنا

منافرت کے محلے میں آنے جانے کا
کوئی نہ کوئی محبت کا راستہ رکھنا

اسے پکارنا ہے ہر نفس اگر گوہر
بچا بچا کے ذرا طاقتِ صدا رکھنا

ذہن ذہن زنگ زنگ ہے
انجمن کا رنگ بھنگ ہے

کٹی پھٹی پتنگ سنگ ہے
تری خوشی پہ عقل دنگ ہے

امتیازِ نسل و رنگ ہے
بازیٔ رباب و چنگ ہے

دو دلوں کے درمیان بھی
ایک خطِ سرد جنگ ہے

بسنت رُت اگا دی آ گئی
اب شباب پر امنگ ہے

اک اُسے منانے کیلئے
اپنا اپنا ڈھب ہے ڈھنگ ہے

مصلحت بنی بہادری!!
تیغ کی جگہ تُفنگ ہے
نوعیت الگ سہی
قافیہ سبھی کا تنگ ہے
ترکش زباں سنبھال رکھ
بات قیمتی خدنگ ہے
یہ جسے ڈسا وہ مر گیا
آدمی تو وہ بھُجنگ ہے
منزل اس کی آستانِ دل
آنکھ میں جو اک سُرنگ ہے
گو ہر اس کی ایک اک ادا
ارمغانِ شوخ و شنگ ہے

کسی کی راہ نہ تک شورِ شاہراہ نہ دیکھ
نِکل پڑا ہے تو بے معنی اِنتباہ نہ دیکھ
ہر اک مقام پہ اچھّی نہیں طرحداری
مجاہدہ ہو جو درپیش رسم و راہ نہ دیکھ
اگر بنانا ہے لمحوں کو زندہ و جاوید
مسافرت میں کبھی فصلِ سال و ماہ نہ دیکھ
ہے حکمرانی سدا کھیل آگ پانی کا
ہزیمتوں کے مقابل جلال و جاہ نہ دیکھ
کسی سے نیکی جو کی ہے تو ڈال دریا میں
عدو ہے کون ترا کون خیر خواہ نہ دیکھ
تخیّلات کی دُنیا میں کھوج سچائی
خیال و خواب میں ہے کسقدر نباہ نہ دیکھ
بسیرا کر نہ کبھی احمقوں کی جنّت میں
فریب کار مصاحب کی آہ 'واہ' نہ دیکھ
بڑی ہی سختی سے سُنتے ہیں بعض نا سمجھے
ادب سکھانے میں آدابِ خانقاہ نہ دیکھ
سنوارنے میں یقیناً ثواب ہے گو ہر
کلاہِ کج ہے کہ زلفِ شبِ سیاہ نہ دیکھ

بھٹکے کو، بھٹکائے گئے کو، دیکھو پاگل خانے میں
تم ہی کہو گے فرق بہت ہے دیوانے دیوانے میں

ٹوٹے سارے رشتے ناطے ایک تیرا کہلانے میں
تو بھی میرا ساتھ نبھانا جینے میں مر جانے میں

لفظِ عداوت کبھی نہ لانا یارانے یارانے میں
ورنہ ہمیں بھی کم مت جانو بات اپنی منوانے میں

ہونٹوں سے موتی برساؤ پھول جھڑاؤ باتوں کے
ورنہ تشنگی لے ڈوبے گی شرمانے شرمانے میں

میں نے توڑے راہِ عشق میں حائل سارے بت خانے
تاکہ تکلف آپ نہ برتیں مجھ تک آنے جانے میں

طاقت سے کہ زباں سے روکو دل سے مانو بُرائی ہے
مانا کہ کچھ وقت لگے گا کفنانے دفنانے میں

بڑے جتن سے باندھ باندھ کر رکھا ہوا اس کو پھر بھی
جانے کہاں دِل لٹ جاتا ہے انجانے انجانے میں

اچھے بُرے کو دیکھ رہا ہے ہر حالت میں جب مولا
دیر کہاں لگتی ہے گوہر عزت آنے جانے میں

افلاس ایک لفظِ دل آزار کی طرح
کھلتا ہے ہر نظر میں گنہگار کی طرح

ہوتا ہے انجمن میں وہ نظّارہ دیدنی
چلتی ہے جب زبان بھی تلوار کی طرح

ہم جی رہے ہیں آج مزائل کے دور میں
شوکیس میں سجے ہوئے ہتھیار کی طرح

انساں کے پیر ٹکتے نہیں ہیں زمین پر
بڑھتی ہوئی گرانیِ بازار کی طرح

گر کچھ کمی ہے اسمیں تو سُر تال کی کمی
شاعر غزل سرا ہے گلوکار کی طرح

ہم آج کل بجائے سلام و کلام کے
اک دوسرے کو پڑھتے ہیں اخبار کی طرح

گوہر مری نگاہ میں بے شک حسین ہیں
عُقبیٰ و دَہر سبحہ و زنّار کی طرح

سہمی سہمی ہوئی خامشی اور میں
شب کی جاگی ہوئی روشنی اور میں
ہر نفس اک نئی زندگی اور میں
کاغذی ناؤ بہتی ہوئی اور میں
کوئی خنجر بکف اجنبی اور میں
انتہائی سراسیمگی اور میں
وہ زباں سخت سست اور لہجہ درشت
میری تہذیب و شائستگی اور میں
بے گماں اک دوراہے پہ آ کر ملے
پھر گمانِ نزولِ وحی اور میں

بے کسوں کے فلک کی دھنک بن گئے
میرے اشعار کی دلکشی اور میں
تو پر اسرار کردار افسانوی
اک حقیقی کھلی زندگی اور میں
ہیں ندامت کے برگد کے سائے تلے
زر خریدہ قلم آذری اور میں
ارتقائے تخیل کی میزان پر
ہم نفس ہو گئے رودکی اور میں
سارا ماحول توبہ شکن اور تو
جذبۂ فطرتِ ثانوی اور میں
اُن کی آمد کا گوہر مؤثر گماں
رٹ کھڑا تا کوئی سازشی اور میں

نظر کہتی ہے منظر بولتے ہیں
حقیقت کیا ہے پتھر بولتے ہیں

ترس کھا کر نہ ڈر کر بولتے ہیں
جو سچے ہیں وہ منہ پر بولتے ہیں

ندی، دریا، سمندر بولتے ہیں
ضرورت پر برابر بولتے ہیں

کبھی لہجہ، کبھی نیت، کبھی رخ
کبھی پہلو بدل کر بولتے ہیں

کسے ظالم کہوں اور کس کو مظلوم
یہاں تو سب سنبھل کر بولتے ہیں

اٹھائیں لاکھ نیزہ کی انی پر
شہیدوں کے کٹے سر بولتے ہیں

تمہارے بولنے کی کیا ضرورت
ارادہ کیا ہے تیور بولتے ہیں

کبھی ہو جاتے ہیں رہ گیر پتھر
کبھی رستے کے پتھر بولتے ہیں

عمارت ساری ڈھ جاتی ہے فوراً
اگر بنیادی پتھر بولتے ہیں

مری بولی بہت پیاری ہے گو پر
اسے بھارت میں گھر گھر بولتے ہیں

جس میں نفع نہ ہو وہ تجارت نہ کیجئے
ہر بار تجربہ کی حماقت نہ کیجئے

ناداں کو بھول کر بھی نصیحت نہ کیجئے
سنگلاخ وادیوں میں زراعت نہ کیجئے

آنکھیں جلا کے دل کی ضیافت نہ کیجئے
اپنے ہی دوستوں سے سیاست نہ کیجئے

یا خود ہی بڑھ کے کیجئے دُنیا کی رہبری
یا پھر کسی عمل کی مذمّت نہ کیجئے

کیجئے نہ آسماں سے زمینوں کی گفتگو
جائز روایتوں سے بغاوت نہ کیجئے

ہے خود سپردگی میں ہی اپنی مدافعت
یہ مانئے وگرنہ محبت نہ کیجئے

دُنیا بدل کے رکھتا ہے دو ٹوک فیصلہ
حق کے معاملہ میں مروّت نہ کیجئے

جو دیدہ ور سے طاقت بینائی چھین لیں
اُن پُرکشش نظاروں کی حسرت نہ کیجئے

کارِ نگاہ چھوڑیئے گو ہر نگاہ پر
تحریرِ لوحِ دل کی وضاحت نہ کیجئے

ہے عجیب عالم بے خودی نہ تو سوز ہے نہ تو ساز ہے
مری خلوتوں کے جہان میں تری ذات جلوہ طراز ہے

تری قدرتوں کا نظارہ ہے کہ نظر پہ پردۂ راز ہے
یہ جہاں دیارِ ثبات ہے کہ طلسمِ بزمِ مجاز ہے

جو ہے مونسِ غمِ دو جہاں رہ و رسمِ عشق کا راز داں
وہی بندہ بندۂ ناز ہے وہی بندہ بندہ نواز ہے

جو مئے الست سے مست ہوں انہیں کیا خبر دسے بھلا غرض
جو رہینِ دیر و حرم نہیں وہی عاشقوں کی نماز ہے

میں ترے چمن کی ہوں اک کلی تو مرے چمن کی بہار ہے
مرا دل اگر ترا آئینہ تری آنکھ آئینہ ساز ہے

مری روح جوہرِ ذات ہے مرا علم نورِ صفات ہے
یہ نفسِ حیات و ممات کا پسِ پردہ پردۂ راز ہے

مری فرشِ راہ ہے روشنی سرِ راہِ منزلِ آگہی
نہ کہیں فراق و وصال ہے نہ کہیں نشیب و فراز ہے

مرا حال گو ہر خستہ جاں کسی خستہ جاں سے نہیں نہاں
یہ ازل سے دہر میں آج تک مری ذات راز ہی راز ہے

بول لب معصوم سے نکلے پیار ہوئے
چرب زباں پر آئے تو تلوار ہوئے

اُن کے آگے منصوبے بے کار ہوئے
برف کے تودے گر نہیں پڑیں مسمار ہوئے

دل سے نکل کر رقصِ لب و رخسار ہوئے
اہلِ سخن کا شعر مرے معیار ہوئے

چھوڑ تجھے ہم مشکل سے دوچار ہوئے
غیر پہ تکیہ کر کے ذلیل و خوار ہوئے

ہم جو سفر پر باندھ کمر تیار ہوئے
حادثے خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے

سب کے ہاتھ میں گل ہی گل ہیں سنگ نہیں
پھر کیسے بے برگ و ثمر اشجار ہوئے

قتل ہمارا سب کو رُلا کر چھوڑا ہے
یوں تو تماشے لاکھوں سر بازار ہوئے

کتنے تیور اُن کے، کہاں لی انگڑائی!!!
اور ہنسے کھل کر تو اِک اخبار ہوئے

عشق کے مارے خاک بتائیں گے گوہر
تھک کر سوئے کب کیسے بیدار ہوئے

آئینہ دیکھ اپنا چہرہ دیکھ
کون سچا ہے کون جھوٹا دیکھ

اپنی تہذیب پر نہ اترا دیکھ
اپنا گھر دیکھ اپنا بچہ دیکھ

آپ اپنے سے دور ہو گا دیکھ
ٹوٹے آئینہ میں نہ چہرا دیکھ

سینکڑوں جی حضوریئے ہیں فضول
زیست میں ایک دوست سچا دیکھ

میٹھا پانی ادھر اُدھر کھارا
بیچ بحرین کے بھی پردا دیکھ

پہلے کر صاف دل کا آئینہ
نظر آئے گا یار اپنا دیکھ

دیکھنے والے لشکرِ فرعون
کیا ہے ضربِ عصائے موسیٰ دیکھ

کر منظم ذرا غریبوں کو
اور پھر جا بجا تماشا دیکھ

قد بڑھا اپنا شوق سے لیکن
اپنا ہمسایہ بھی پنپتا دیکھ

وقت پر ساتھ چھوڑ دیتے ہیں
دوسروں پر نہ کر بھروسہ دیکھ

زرد ہو کر یہ جھڑ بھی جائے گا
آج کا ہی نہ سبز پتّا دیکھ

سائنس تو ہے عروج پر گوہر
کس طرف جا رہی ہے دنیا دیکھ

راہِ الفت میں جہاں دشت آنا لگتا ہے
آنسوؤں پر مرے پہرہ بھی بجا لگتا ہے
وہ کبھی خوش تو کبھی مجھ سے خفا لگتا ہے
یہ تو اک سلسلۂ کرب و بلا لگتا ہے

بے رُخی جس کی بڑے کرب سے جھیلی میں نے
خود مجھے علم نہیں وہ مرا کیا لگتا ہے
وہ تُلمّع وہ بناوٹ وہ تصنّع تو یہ
پوچھیئے مت کہ وہ اس حال میں کیا لگتا ہے

دشت میں قیس کا پھینکا ہوا اک اک پتھر
راہ گم کردہ کو نقشِ کفِ پا لگتا ہے
وہ کسی اور غذا سے نہیں خوش ہو سکتا
میرے خوں کا جسے اِکبار مزہ لگتا ہے

زعمِ باطل میں ہنسے جاتے ہیں کچھ لوگ مگر
خود پہ آتی ہے جب آفت تو پتہ لگتا ہے
تو ہی تو ہے مری آنکھوں میں تو پھر ہجر کہاں
یہ وہ منزل ہے جہاں درد دوا لگتا ہے
اُس کے بہروپ کا اعجاز یہی ہے گوہرؔ
بعض احباب کو پتھر بھی خدا لگتا ہے

قد آور ہوں یا مختصر آئینے
زمانے سے ہیں باخبر آئینے

نظارے کہاں اور کدھر آئینے
سراسر ہیں یہ پیشہ ور آئینے

مرا رُخ بہ رنگِ دِگر آئینے
کبھی دیکھ بن کر بشر آئینے

اندھیروں سے سینہ سپر آئینے
ہیں آنکھوں کے دو معتبر آئینے

جو ٹوٹے ہیں آئینہ گر آئینے
بکھر کر ہوئے ہیں امر آئینے

زمانہ جو بہروپیا ہو تو کیا
ہیں کچھ آج بھی دیدہ ور آئینے

گیا تو تو ساری سجاوٹ گئی
ترے دم قدم سے تھے گھر آئینے

ہے ہر روپ سے میرے واقف مگر
میں کیا ہوں تجھے کیا خبر آئینے

شبِ ہجر گو ہر وہ تابانیاں
اُگلتی رہی چشمِ تر آئینے

غم نہ کھا اے کشتۂ آزارِ دوراں غم نہ کھا
تجھ میں پوشیدہ ہے تیرے غم کا درماں غم نہ کھا

آج گر انسانیت ہے پابہ جولاں غم نہ کھا
اے خلیلِ بت شکن اے ماہِ کنعاں غم نہ کھا

گھپ اندھیرے سے ہی پھوٹے گی کرن امید کی
ہوگی اک دن بارشِ انوارِ یزداں غم نہ کھا

ہے نظر خودہی تری آئینہ دارِ سوزِ دل!!
شوق سے کر اس کو نذرِ جانِ جاناں غم نہ کھا

لمحہ بھر شبنم کے رونے کا نتیجہ ہی سہی
ہیں بیاباں میں بھی آثارِ خیاباں غم نہ کھا

شادی و غم کا تسلسل کب رکا ہے دہر میں
آتے جاتے موسموں کا تو بھی چنداں غم نہ کھا

ہر کھنڈر سے بوئے گل آتی ہے گو ہر آج بھی
ہوگی پھر تاریخ تیری گل بداماں غم نہ کھا

اُصولِ صحافت مرا اختلافی
صحیفہ ہیں وہ اور ہیں خود صحافی

یہ سب طور انسانیت کے منافی
ہوا آدمی سر بہ سر انحرافی

ترا نام لینا ترا ذکر کرنا
مریضِ محبت کو کافی و شافی

زمانہ ہے دولت کے شانہ بہ شانہ
غزل میں ہوں جیسے ردیف اور قوافی

کفن سر پہ اور لب پہ اللہ اکبر
مجاہد کے رستہ میں صوفی نہ صافی

شفاعت کے دربار کی بھیک گوہر
مُعافی، مُعافی، مُعافی، مُعافی

غازہ کی پھبن چہرہ سے دُھل جائے تو کیا ہو
تاریخ ہمیں آئینہ دکھلائے تو کیا ہو

پھولوں سے لدی شاخ لچک جائے تو کیا ہو
مہکائے تو بہکائے تو گھبرائے تو کیا ہو

شاداب گلستاں میں کوئی شوخ قیامت
اٹھلائے تو مسکائے تو شرمائے تو کیا ہو

سُن سُن کے تری وادیٔ سرسبز کی باتیں
پربت پہ جمی برف پگھل جائے تو کیا ہو

ہر فرد جہاں قرض چکانے پہ تلا ہے
نالاں ہوں اگر آپ سے ہمسائے تو کیا ہو

ٹوٹے گا طلسمات نظارہ جو کسی دن!!
بے باک نظر کہنے پہ آجائے تو کیا ہو

اسلاف کے ناموں کے سہاروں کی ضرورت
خود آپ کے کردار کو دفنائے تو کیا ہو

گو ہر جو سکون ازلی ڈھونڈھ رہے ہو
وہ آکے کسی لمحہ چلا جائے تو کیا ہو

حالات کا رہین تھا مجھ کو پتہ نہ تھا
میں آپ کی نگاہ میں کیا کیا تھا کیا نہ تھا

آنکھیں ہی کہتی جاتی تھیں وہ بولتا نہ تھا
انسان اس قدر کبھی سہما ہوا نہ تھا

زُعمِ خرد کی شب کا جو سایہ چھٹا نہ تھا
باغِ جنوں میں کوئی بھی گل کھلا نہ تھا

جب ایک خاندان تھا بکھرا ہُوا نہ تھا
جو بھی تھا اپنے پاس وہ تیرا مرا نہ تھا

جب دے رہا تھا شہر کا سنّاٹا دستکیں
ہم سو رہے تھے حیف کوئی در کھلا نہ تھا

تھا بے نیازِ دیر و حرم مستِ ہر لباس
بچپن کا وہ زمانہ بھی کیسا زمانہ تھا

اپنی شناخت کھوئی ہے تقلیدِ غیر میں
ورنہ مری زبان کا لہجہ بُرا نہ تھا

چاروں طرف رسوخ و اثر کی تھی وادیاں
جو درمیاں پہاڑ تھا میرا اُٹھ سکا نہ تھا

گو ہم وہ آ گئے تھے ہمراہ اس طرح
پیروں کی چاپ تھی پہ کہیں نقشِ پا نہ تھا

اہلِ جنوں کو شرطِ وفا کے بغیر بھی
شوقِ فنا ہے ترکِ انا کے بغیر بھی

انسان اور شرم و حیا کے بغیر بھی
جیسے کوئی ردا نہ قبا کے بغیر بھی

ہو گر رضائے رب کے مطابق کوئی سعی
بر آتی ہے امید دعا کے بغیر بھی

بارود کی فضاؤں میں شہر کے شرر نہ پھونک
یہ آگ پھیلتی ہے ہوا کے بغیر بھی

رازق ہے دو جہان کا رحمٰن اور رحیم
دیتا ہے رزق استدعا کے بغیر بھی

مئے نوش اور اس پہ بلا نوش کون ہے
کھتی ہیں آنکھیں لغزشِ پا کے بغیر بھی

لاتی ہے رنگ جب کبھی مالی کی جستجو
کھلتے ہیں پھول آب و ہوا کے بغیر بھی

وہ خود چراغِ منزلِ مقصود بن گئے
چلتے رہے جو راہنما کے بغیر بھی

سودائے دل محال ہے گو ہر کبھی کبھی
جیتے ہیں کچھ مریض دوا کے بغیر بھی

جہاں بھی دولتِ دنیا نے گُل کھلائے ہیں
ستارے پردۂ سیمیں پہ جگمگائے ہیں
کبھی لہو میں کبھی نور میں نہائے ہیں
بڑے جہاد سے ہم راستہ پہ آئے ہیں

پرند شام کے لوٹے بہت پریشاں ہیں
درخت اپنے ہیں پر گھونسلے پرائے ہیں

انہیں ندی سے نہ ملنے دو راستہ روکو
یہ گندے نالے غلاظت بہا کے لائے ہیں

سکوں سے راہ میں ٹھہرے مسافروں سے کہو
عذابِ زیست یہ خوش فہمیوں کے سائے ہیں

مکان والوں کی خاموشیوں پہ اے گوہر
کبھی کبھی در و دیوار مسکرائے ہیں

فضاءِ زمانہ کی صحرا بدوشِ نفرت ہے
محبت آج ریا کاری ہے سیاست ہے

کہیں ہزار کہ جھوٹوں پہ رب کی لعنت ہے
ہمارے دور میں سچ بولنا کرامت ہے

خدا کی شان ہے یا آپ کی نزاکت ہے
جبیں کی چینوں پہ افکار کی صراحت ہے

کسی کو قطرہ ملا اور کسی کو گاگر بھر
عطائے علم و ہنر اپنی اپنی قسمت ہے

ادھر نگاہیں ملیں اور ادھر ہوئے چرچے
تمہیں گلے سے لگانا بھی اک مصیبت ہے

کسی میں چاند کی ٹھنڈک کسی میں گرمیٔ خور
کسی میں نرم مزاجی کسی میں شدت ہے

کوئی ہزار کرے نکتہ چینیاں گوہر
شاعروں کو چلانا ادب کی خدمت ہے

اُسی کے ہاتھوں رُلائے جانا اُسی کے ہاتھوں ہنسائے جانا
وفا کے جاناں نبھائے جانا، اُسے ہمیشہ منائے جانا

رکاوٹیں ہوں ہزار حائل جو راستہ میں ہٹائے جانا
یہ زندگانی کی ریل پیارے چلی جہاں تک چلائے جانا

گھروندے ساحل پہ جو بناتے ہیں روز و شب ہے یہ کام اُن کا
بنا بنا کر مٹائے جانا، مٹا مٹا کر بنائے جانا

مری ہنسی پر دوانہ سمجھے، زمانہ مست شراب سمجھے
اے زلفِ جاناں سے ہو کے آئی صبا مجھے گُدگُدائے جانا

ہوا چلے گی گُناہ کی جب تمہاری سانسیں بھی بند ہوں گی
ثواب کی سرزمیں پہ پودے، عذاب کے مت اُگائے جانا

وفا سے نا آشنا ہیں راہیں مگر تمہارا سفر ہے لازم
جفا کی پُرخار جھاڑیوں سے تم اپنا دامن بچائے جانا

کہیں یہ دیر و حرم کے جھگڑے کہیں پہ قہر و کرم کے قصّے
یہاں سے جانا تو آپ اپنا محاسبہ بھی کرائے جانا

یہ سُنتے آئے ہیں آنے جانے سے رابطے استوار ہوں گے
کبھی کبھی خود ہی آئے جانا کبھی مجھے تم بُلائے جانا

خزاں کی چیخیں یہ کہہ رہی ہیں کہ گھر کے ابرِ بہار آیا
تغیّراتِ چمن سے گوہر جو تم نے سیکھا بتائے جانا

خدایا آج عجب حال آدمی کا ہے
نہیں ہے موت کا ڈر خوف زندگی کا ہے
غموں کے پہرہ میں گنجینہ جو خوشی کا ہے
حصارِ جسم میں دل ہے جو گھر اسی کا ہے
میں اپنے قلب کی حالت بیان کر دیتا
پر احتمال تمہاری برہنگی کا ہے
نظر کے سامنے کھڑا ہے ناامیدی کا
منارِ نور بہت دور آشتی کا ہے
میں اس کی سانسوں میں خوشبو تلاش کرتا ہوں
وہ اجنبی جو نواسی تری گلی کا ہے
انا پرست ہے کوئی، کوئی بتوں کا غلام
کسے خیال تری بندہ پروری کا ہے

ڈھلی ڈھلی سی زمیں ہے ڈھلے ڈھلے پتھر
علاقہ یہ کسی سوکھی ہوئی ندی کا ہے

لہو سے اپنے جلاتے ہیں ہم ادب کے چراغ
بڑا ہی مہنگا ہے جو ذوق شاعری کا ہے

پیالہ زہر کا پینے پہ بھی ہوں آمادہ
بہت ہی میٹھا یہ سودا تری خوشی کا ہے

پسندِ خاطرِ محبوب ہو نہیں سکتا
تری نگاہ میں پہلو جو دورخی کا ہے

کسے سنبھالو گے کس کس پہ روؤ گے گوہر
سنبھالو خود کو کہ یہ دور گمرہی کا ہے

ہے سامنے سفینہ کے منجدھار کیا کریں
اعداء ہیں پیچھے درپۂ آزار کیا کریں

میلا ہے حسن کا سر بازار کیا کریں
قلب و نظر ہیں برسر پیکار کیا کریں

لب بند ہوں تو جراءتِ اظہار کیا کریں
آنکھوں پہ ہو جو پردہ تو دیدار کیا کریں

دشت انا میں عشق کا اظہار کیا کریں
مصلوب آرزوں کا دیدار کیا کریں

آمادگی ہے لازمی ذوق عمل کے ساتھ
دل نیک اور نظر ہے گنہگار کیا کریں

رہنا بھی جن کا ساتھ قیامت سے کم نہیں
وہ بھی ہیں ساتھ چلنے کو تیار کیا کریں

کچھ دن سے آفتاب ہے بادل کی اوٹ میں
اب اعتبار سایۂ دیوار کیا کریں

گو ہر ہزار آپ کا فن باکمال ہے!
بے فیض ہو جہاں میں تو معیار کیا کریں

غمِ محبت کے سانچوں میں ڈھالے گئے
حسرتوں کے جنازے نکالے گئے

صاف ہم اپنا قلبِ آئنا لے گئے
آئینہ لائے تجھے آئینہ لے گئے

ہجر کا حال آنسو بہا لے گئے
اُن کی آنکھوں کا کاجل چُرا لے گئے

اُن سے قسطوں میں پائی عطا لے گئے
سجدۂ شکر دستِ دُعا لے گئے

یہ وہی جانتے ہیں کہ کیا لے گئے
میرا سب کچھ وہ دل کے سوا لے گئے

جانے والے گئے ہاتھ خالی مگر
انجمن اپنے ڈھب کی سجا لے گئے

تھا ترا خوف جن کو رہِ زیست میں
ہر بُرائی سے پیچھا چھڑا لے گئے

اُن کو غصّہ میں فوراً ہنسی آگئی
ہم جو آنکھوں میں اُن کی ادا لے گئے

ایک اک گوہرِ بے بہا کے لئے
علم کے سارے دریا کھنگالے گئے

تیری محفل میں مستِ شرابِ نظر
گر رہے تھے کہ فوراً سنبھالے گئے

سونپ کر ہم نے میزان کو ہر آئینہ
اپنا جو کچھ تھا اچھا بُرا لے گئے

کچھ کہنے پہ آتے ہیں جب اشعار غزل میں
شاعر کا جھلک جاتا ہے معیار غزل میں

فنکار کے اعجاز کی شہکار غزل میں
ہیں آج مضامین کے انبار غزل میں

گر پیار سے رکھتے ہو سروکار غزل میں
ہے موسمِ گل، موسمِ گلنار غزل میں

اِک برق سی لہراتی ہے تلوار غزل میں
الفاظ جب آتے ہیں، دلِ آزار غزل میں

کھو جائیں تو ذرا آپ پُر اسرار غزل میں
ہے نور کبھی اور کبھی نار غزل میں

سنگت کے سُروں کا ہی نہیں موجِ ترنم
پائل کی ہے رس گھولتی جھنکار غزل میں

قرآن و احادیث کی تنویر بھی اس میں
ویدوں کا متن، گیتا کا ہے سار غزل میں

کرتا ہے معاً غرق سوالوں کا سفینہ
ہوتا ہے حقائق کا جو منجدھار غزل میں

اشعار کے الفاظ بھی معنیٰ نہیں دیتے
بے بحر جراثیم ہیں بیمار غزل میں

سنتا ہوں کہ دل پھینک جوانوں کی زباں پر
رقصاں ہے مرا فن سر بازار غزل میں

اوزانی، زحافاتی مسائل کی ہے بہتات
شاعر ہے پریشانی سے دوچار غزل میں

سیرِ چمن و دشت ادب کر کے ذرا دیکھ
ہے پھول کبھی اور کبھی خار غزل میں

اک عالمِ جدّت کا نمو کرتے ہیں گوہر
نیرنگیٔ تہذیب کے اشعار غزل میں

تمہارے ذکر میں اٹکے کاش میں نغمہ سرا ہوتا
خدائی ہم نفس ہوتی زمانہ ہمنوا ہوتا

میں یہ سب کچھ نہ ہو کر بچھڑے من کا مدعا ہوتا
کسی مفلس کے ہاتھوں میں بڑھاپے کا عصا ہوتا

خود اپنے نفس پر تجھکو اگر قابو ہوا ہوتا
ہزاروں حادثوں پر بھی ترا چہرا کھلا ہوتا

ملن سے دو دلوں کے جب بھی کوئی واقعہ ہوتا
بدل کر سانحے میں سلسلہ در سلسلہ ہوتا

نکل کر کاش میں تیرے پتہ میں لا پتہ ہوتا
میں جس منزل پہ ہوتا تو مرا اور میں ترا ہوتا

صلاح و مشورہ کی محفلوں میں بیٹھنے والے
ذرا بھی نکتہ رس ہوتے سخن کا در کھلا ہوتا

جو انساں سوچتا ہے رات دن خود اپنے بارے میں
برائے امنِ عالم دو گھڑی تو سوچتا ہوتا

غضب ڈھایا کسی کا میری جانب دیکھنا گوہر
ذرا اک بار کی صرفِ نظر کرتا تو کیا ہوتا

دور چمن سے کہساروں کے دامن میں اک پاگل شام
چاکِ قبا کی اڑیں دھجیاں اقداروں کی مقتل شام

رُت بسنت کی چھائی ہر سُو پھول کھلے ہیں منگل شام
ہاتھ میں اُن کے ہاتھ ہے میرا نرمل نرمل کومل شام

مفلس کی شب بے چراغ گھر آیا واں کی تاریکی
صبح اگر ہے زیست کا مرگھٹ ارمانوں کی دلدل شام

میری آنکھ میں سُرمہ لگا ہے اُس کے نینوں میں کاجل
ایسے میں کچھ نہیں سوجھتا سُرمہ ہے یا کاجل شام

انگ انگ میں رنگ رنگ میں برق سی کوندی گھڑی گھڑی
بادل گرجے، بجلی چمکے، تو ہے کولاہل شام

میں ہوں سمندر تو ہے ندیا آ ملن کی [illegible] کو
میں ہوں اک پُرسکون دل اور تو ہے الھڑ چنچل شام

سانپوں کا مسکن ہو کر بھی انسانوں کو خوشبو دے
گو ہر مہکا صندل بن ہے مہکی مہکی صندل شام

غریب ذہن کا بحران لے کے آئے ہیں
امیرِ فکر کا فقدان لے کے آئے ہیں

ترے غیاب میں ایمان لے کے آئے ہیں
ہم عاقبت کا یہ سامان لے کے آئے ہیں

جبیں پہ داغ جو انسان لے کے آئے ہیں
تری غلامی کی پہچان لے کے آئے ہیں

سیاسیات کا میدان لے کے آئے ہیں
سبھی پیالی کا طوفان لے کے آئے ہیں

سراپا حشر کا سامان لے کے آئے ہیں
نہ جانے کتنوں کی یہ جان لے کے آئے ہیں

نہ مسئلوں کا کوئی حل نہ تو نظامِ عمل
وزیر خالی قلمدان لے کے آئے ہیں

برائی اِن کی بھلائی گناہ اِن کا ثواب
نہ جانے کونسا وردان لے کے آئے ہیں

وصالِ یار ہے دل میں فراق آنکھوں میں
علاج و درد بہ یک آن لے کے آئے ہیں

گلی سے اُن کی گزر کر کمال ہے گوہر
سلامت اپنے حواس و سان لے کے آئے ہیں

حال تجھ سے مرا چھپا کیا ہے
پھر بھی کہتا ہے مدعا کیا ہے

اُس پہ مرنا اُسی کے گن گانا
ماسوا اس کے راستہ کیا ہے

ایک تنکا ہوا کا ہے محتاج
آپ کیا آپ کی انا کیا ہے

آن میں تولہ آن میں ماشہ
عاشقوں کے مزاج کا کیا ہے

غلطی ماننے میں عظمت ہے
شخصِ ثالث سے واسطہ کیا ہے

ترکشِ چشم خوشنما ہی سہی
تیر پہ زہر میں بجھا کیا ہے

مر مٹو تو کسی پہ جانو گے
زندگی موت کے سوا کیا ہے

اپنا سب کچھ اُسی کو سونپ دیا
اب مرے پاس خود مرا کیا ہے

وقت کے سب اسیر ہیں گوہر
شاہ کیا چیز ہے گدا کیا ہے

بوٹا بوٹا، ڈالی ڈالی
تیرے رُخساروں کی لالی

دل میں تیری تصویر بنالی
تیرے وصل کی راہ نکالی

چھولی کٹیا اپنی سنبھالی
جب من چاہا عید منالی

تیری نظر کو روک رہی ہے
آنکھوں پر مژگاں کی جالی

شو تانڈو کرتی ہے سیاست
بول پیار کے آج ہیں گالی

تیرا منہ بھی کالا ہوگا
کوئلوں کی مت کر دلالی

خود کو مکمل سمجھ رہا ہے
ذہن کا ہر خاکہ اجمالی

پانڈوں کو بن باس نہ ملتا
گر نہ ہنسی ہوتی پانچالی

ہرا بھرا ہے موسم گوہر
میں ہریالا وہ ہریالی

کام انساں کا تدبّر نہ بہانے آئے
موت کے سایے جب آئے تو مٹانے آئے

آج ہم خود تری تصویر بنانے آئے
بے خودی اپھر ترے دریا میں نہانے آئے

چاہتوں اور اُمنگوں کے زمانے آئے
آپ آئے تو بہاروں کے خزانے آئے

نئے موسم میں وہی خواب پُرانے آئے
بحرِ ادراک میں طوفان اُٹھانے آئے

مُنہ چھپاتی پھرے خود گردشِ دوراں اُس سے
کوچۂ یار میں جو آکے نہ جانے آئے

کئی ناموں کئی شکلوں کا لبادہ اوڑھے
جانے کس کس کو وہ دیوانہ بنانے آئے

کام آتا ہے بُرے وقتوں میں دانا دشمن
دوست ناداں ہو تو احسان جتانے آئے

نظر آئی نہ کسی میں مری اصلی صورت
زیست میں یوں تو کئی آئینہ خانے آئے

جب بھی نظروں نے کیا حد سے تجاوز گوہر
حادثے آبرو آنکھوں کی بچانے آئے

چاند آیا نہ چاندنی آئی
پورنیما تھی بھی ملگجی آئی

فصل گل آئی زندگی آئی
رنج رخصت ہوا خوشی آئی

شوق سے کیوں نہ جان دیدیتا
موت جب لے کے زندگی آئی

سب نے دیوانہ سمجھا قسمت سے
مجھ کو غم میں بھی جب ہنسی آئی

دشت فرقت کی قید خلوت میں
جو صدا آئی اجنبی آئی

تھا جو شیطان ہو گیا مردود
میرے حصہ میں برتری آئی

سارے احباب ہو گئے غائب
آزمائش کی جب گھڑی آئی

بہہ رہا تھا خوشی کے دریا میں
سامنے ناؤ کاغذی آئی

لاکھوں لمحوں کا قتل و خوں کر کے
گو ہر اکیسویں صدی آئی

کی نظر اُس نے جدھر منظر بنے
عالمِ حیرت میں سب پیکر بنے

جو جہاں میں درد کا خوگر بنے
رہروانِ عشق کا رہبر بنے

امنِ عالم کا جو پیغمبر بنے
سر بہ سر اخلاق کا پیکر بنے

بستیاں مسمار کرنے والے سوچ
محنتوں سے کتنے کوئی گھر بنے

کیا کرو گے اُس کے قطروں کا حساب
کتنی ندیاں مل کے اک ساگر بنے

سوچیے عہدہ بُرا ہے کس قدر
جب کلکٹر آج کا ہٹلر بنے

ہم تری اک اک ادا پر ساقیا
مے پیئے میکش بنے ساغر بنے

دل ہے گو ہر ظرف کا آئینہ دار
وہ کبھی مسجد کبھی مندر بنے

تیری دُزدیدہ نگاہوں کے سفر کی صورت
دشتِ دُنیا کے سفر میں ہوں خِضر کی صورت

مسکراہٹ تری جادُو کی اثر کی صورت
پھر اُبھر آئی مِرے زخمِ جگر کی صورت

چند بے جان تصاویر پہ مرنے والو
تم نے دیکھی ہے کہاں اہلِ ہُنر کی صورت

پڑھیے لاحول و لاقوۃ الا باللہ
نظر آتی ہو جہاں خیر میں شر کی صورت

میری دریافت سمجھتا تھا میں جس رستہ کو
وہ بھی لگتا ہے تری راہ گذر کی صورت

صحنِ گلشن میں کھڑا ہوں میں تماشا بن کر
ایک بے برگ و ثمر سوکھے شجر کی صورت

ایک حیرت کدہ حُسن میں گُم ہوں کہ جہاں
ہے سفر کی کوئی صورت نہ حضر کی صورت

بات کیا ہے کہ وہ جس دن نہیں آتا گوہر
مجھ سے دیکھی نہیں جاتی مِرے گھر کی صورت

غلطی بار بار مت کرنا
خود کو نذرِ غبار مت کرنا

جن سے عریانیت جھلکتی ہو
ایسے نقش و نگار مت کرنا

تیرے بیڑے کو غرق کر دے گا
غیر پر انحصار مت کرنا

چھوڑ کر اپنے نفس کو آزاد
شترِ بے مہار مت کرنا

ہے یہی موجبِ زوالِ بشر
بے حسی اختیار مت کرنا

پھر تجھے بھی کوئی جچے گا نہیں
آپ اپنا سنگھار مت کرنا

نیک ہوں بھی تو گھر میں دفنا کر
اپنے گھر کو مزار مت کرنا

بیٹھ کر جھونپڑی میں بھول کے بھی
جشنِ برق و شرار مت کرنا

عشق کے کارزار میں گو ہر
عقل کو راہوار مت کرنا

جامۂ معنی پہنانے کو لفظوں سے انصاف کرو
فکر و نظر کی بولتی ان تصویروں سے انصاف کرو

فکرِ رسا تخیل کے برزخ تک جو نہ پہنچے فکر نہیں
شعروں کے جسموں میں مقید روحوں سے انصاف کرو

بیتے دنوں کی یاد دلانے والو یہ بھی یاد رکھو!
میری ہنسی تو دیکھ ہی لی اب اشکوں سے انصاف کرو

ان زخموں کی خاطر میں نے کتنے آنسو ضبط کئے
گلچینو! کچھ گلشنِ دل کے پھولوں سے انصاف کرو

آگے چل کر یہی بنیں گے چمن کے سایہ دار درخت
یہ چھوٹے چھوٹے ہرے بھرے ان پودوں سے انصاف کرو

دیش کی ماں بہنوں کی عزت اپنی عزت ہے
منہ بولے ہوں یا کہ حقیقی رشتوں سے انصاف کرو

کتنے سوتے ذہن و دل کے ابل ابل کر خشک ہوئے
ایسی فضا میں گوہر اپنی سوچوں سے انصاف کرو

اُسی کے حُسن کا چرچا ہے کیا کیا جائے
خیال پھر بھی اچھوتا ہے کیا کیا جائے

عمل کا دائرہ دونوں کا ہے جُدا لیکن
دل و نگاہ میں رشتہ ہے کیا کیا جائے

اُدھر ہے ساری خُدائی اِدھر خدا میرا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے کیا کیا جائے

میں اس زمانہ کا رہزن ہوں اور مقابل میں
ہر اک شناسا ہے اپنا ہے کیا کیا جائے

زمیں کے ذروں کا دل میں ہے احترام مگر
نظر میں اوجِ ثریّا ہے کیا کیا جائے

تمہاری آیتِ رُخ ساری پڑھ کے دم لیتا
یہ درمیان میں سجدہ ہے کیا کیا جائے

جہاں ہے چھایا ہُوا میرے سچ کا سناٹا
دروغ گوئی کا صحرا ہے کیا کیا جائے

کسے پڑھے مرا ذوقِ نظر کسے نہ پڑھے
ہر ایک چہرہ رسالہ ہے کیا کیا جائے

مرے جنوں کا کرشمہ ہے سر بہ سر گو ہر
وہ پہلی بار جو کہتا ہے "کیا کیا جائے"

جب تصور میں ترے حد سے گزر جاؤں گا
ماورائے حدِ ادراک و نظر جاؤں گا

سامنے موت کے میں سینہ سپر جاؤں گا
یہ نہ سمجھو کبھی ڈر جاؤں گا مر جاؤں گا

آئیں مجھ سے یہ اگر پیار کی راہوں سے کے دیئے
چاند تاروں میں ضیا بن کے بکھر جاؤں گا

سامنے اُن کے مرے لب نہ کھلیں گے لیکن
لے کے آیا ہوں دعاؤں کا اثر جاؤں گا

تاکہ وہ خود ہی کریں راہ نمائی میری
میرے جانے کی انہیں کر کے خبر جاؤں گا

آپ کے عشق کا حاصل ہے مری در بدری
پھیر لیں آپ نگاہیں تو کدھر جاؤں گا

وہ خود آ جائے گا جلوؤں میں سنور کر لینے
میں اگر لے کے مرا حسنِ نظر جاؤں گا

آپ کے حسن تغزل کے سنورنے کیلئے
چھوڑ کر آئینۂ نقد و نظر جاؤں گا

رنج و غم درد و کسک حسرت و حرماں گوہر
لے کے ہمراہ یہی رختِ سفر جاؤں گا

لاکھ حسبِ طاقتِ گویائی ہم بولا کریں
سُننے والا ہو اگر خاموش تو پھر کیا کریں

اِس تماشا گاہ کی ہر چیز میں جھانکا کریں
کس میں کیا کیا راز ہے سوچا کریں سمجھا کریں

کب تک اپنے جسم کے سایہ کا ہم پیچھا کریں
عالمِ خلوت کے بارے میں بھی کچھ سوچا کریں

بولنے سے پہلے کم سے کم کبھی سوچا کریں
اپنی حق گوئی پہ یاں کس کس کو شرمندہ کریں

کیجئے دل کھول کر دشمن پہ اک بھرپور وار
اُس کی طاقت کا مگر پہلے ہی اندازہ کریں

رازق و غفّار ہے لاریب ربُّ العالمیں
صرف اُسی کے آگے دامن اپنا پھیلایا کریں

جاننا چاہیں جو گوہر سوزِ قلبِ عاشقاں
دُور سے صحرا میں جلتے گھر کا نظارہ کریں

ثلاثیاں

ثلاثی ۱

لمحہ لمحہ سُراغ جلتا ہے
فکروفن کے الاؤ میں گوہر
ہر مفکّر دماغ جلتا ہے

ثلاثی ۲

چشم بد کی شعاع سے بچنا
سرخرُوئی کی گر تمنّا ہے
ذہن کی اِختراع سے بچنا

ثلاثی ۳

آزمائے کو آزماتے ہو
بے وقوفی کی حد بھی ہوتی ہے
بارِ دیگر فریب کھاتے ہو

ثلاثی ۴

غم غریبوں کا اپنے دل میں پال
پائے گا تو مسرّتوں کے گُہر
گردشوں کے سمندروں کو کھنگال

جہیز کی لعنت

افسانۂ حیات کا عنواں لکھوں تو کیا
اوجِ نظر میں پستیٔ انساں لکھوں تو کیا
تہذیبِ نو کے درد کا درماں لکھوں تو کیا
گردش میں ہے جو عالمِ امکاں لکھوں تو کیا
انسان زیرِ دامِ زر و مال ہو گیا
وارفتۂ جمالِ قد و خال ہو گیا

تاریک شب ہے شمعِ شبستاں خموش ہے
کردارِ تیرگی کا بھلا کس کو ہوش ہے
بزمِ ادب میں تذکرۂ ناؤ نوش ہے
ہر نوجوان خود غرض و خود فروش ہے
میں سوچتا ہوں اس کی حمیّت کدھر گئی
ملّت کے نوجوان کی شرافت کدھر گئی

اے نوجواں ادا تری فتنہ طراز ہے
روزہ کی جستجو ہے نہ فکر نماز ہے
محمود ہی ہے کوئی نہ تجھ میں ایاز ہے
تجھ کو نہ پاسِ اسوۂ شاہِ حجاز ہے
دو دن کی بے ثبات بہاروں میں کھو گیا
بے ننگ و نام خام نظاروں میں کھو گیا

ہر طرح آج ہم پہ مصیبت کا دور ہے
یہ دور گھوڑے جوڑے کی لعنت کا دور ہے
پسپائی و شکست و ہزیمت کا دور ہے
ملت کے نوجوانوں کی ذلت کا دور ہے
ہم وہ ہیں جو ضمیر کو سکوں میں بیچ کر
خوش ہیں جہیز لے کے زمانہ میں سر بہ سر

گھر پر جو مہمانوں کا اک اژدحام ہے
دولہا سمجھ رہا ہے خسر نیک نام ہے
بے مثل شادی خانہ کا جو انتظام ہے
لانا لبوں پہ حرف شکایت حرام ہے
رسم نکاحِ دختر اسلام دیکھئے
ہوتا ہے کیسے نوشہ کا نیلام دیکھئے

ملتے ہیں جب بھی شادی میں ملت کے چار لوگ
من مانا کر گزرتے ہیں اسراف یار لوگ
کہتے ہیں میہمان انہیں طرحدار لوگ
کھا پی کے چلتے بنتے ہیں باغ و بہار لوگ
جب بوجھ آن پڑتا ہے دُلہن کے باپ پر
تب ہاتھ ملتا جاتا ہے خرچے کے پاپ پر

گوہر کی یہ دعا ہے کہ اے ربِّ ذوالجلال
اِک انقلاب آ کے زمانہ میں بے مثال
ہو ختم گھوڑے جوڑے کی یہ رسم بدخصال
ہر باپ اپنی بیٹی کی شادی پہ ہو نہال
سب کو بچائے رکھنا ذرا اس عذاب سے
اُمید ہے یہی کرم بے حساب سے